The Visionary Voice

(September Edition)

e-Published by:

All Rights Reserved. No Part of this publication may be reproduced, distributed, or transmitted in any form, including printing, recording or other electronic methods without the prior written permission from the magazine owners, except in the case of brief quotations embodied in reviews and certain non-commercial uses permitted by copyright law. For permission requested, contact The Visionary Voice Magazine

ہے دشت اب بھی دشت، مگر خونِ پا سے فیض

سیر اب چند خارِ مغیلاں ہوئے تو ہیں

فیض احمد فیض

دی ویژنری وائس

سہ ماہی رسالہ

ستمبر 2024

اداریہ

سب سے پہلے اللہ کا بہت بہت شکر جس نے ہمیں یہ شعوری استطاعت بخشی کہ ہم چند لوگوں کے لئیے ایک چھوٹا سا پلیٹ فارم مہیا کر سکیں۔

ویژنری وائس میرے ان بے شمار خوابوں میں سے ایک ہے جو میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھے، ان گنت خواہشات میں سے ایک خواہش جس کو پورا کرنے کے لئے میں نے ہر ممکن کوشش کی۔

غمِ روزگار اور مادیت پرستی کے س دوڑنے زندگیوں میں اک خلاء پیدا کر دیا ہے، ادب کی وہ چاشنی کہیں کھو سی گئی ہے زندگی کے وہ رنگ جو تخیل کو جلا بخشتے تھے مانند پڑ گئے ہیں۔

وجود ہستی کو کھا رہا ہے

وہ جو اک خلاء ہے یہاں

اس بڑھتے خلاء کو کم کرنا، بے سر و پا جذبات کو ایک شکل دینا، اور اپنی ذات کو کھوجنے میں کچھ وقت صرف کرنا یہ وہ سب کچھ ہے جو میں نے اپنے لیے چاہا اور ویژنری وائس کے زریعے پہنچانے کا سوچا۔

صبا صادق

فہرست

دی ویژنری وائس، تخیل کی پکار

ایک نوجوان کا خط پاکستان کے نام

افسانہ؛ جہاں داد کی اچھی لڑکی

افسانہ؛ دریا کی موجوں کا تحفہ

افسانہ؛ خونی کھیل

انشائیہ؛ تقلید

رنگین کمان

پر نم آنکھیں

محبت نامہ

اردو ادب کے چٹکلے

افسانہ؛ نصف لیل

کہ ہم ن زندگی کو جینا ہے

حصہ اول ایک نوجوان کا خط پاکستان کے نام

تیمور خان

السلام علیکم !

پیارے پاکستان

میں آپ کو خط آپ کی سترویں یوم ازادی کی مبارک باد دینے کے لیے لکھ رہا ہوں 77 سال کا یہ دور نہایت شاندار دور رہا۔

آپ نے اپنی شہریوں کو ان حقوق کے ساتھ روشناس کروایا جو کسی ملک کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا آپ نے اپنے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ کسی قوم کو تمام تر آسائش مل جاتی ہیں تو وہ قوم سست ہو جاتی ہے

آپ نے کمال مہارت سے اپنی قوم کو اس کاہلی اور سستی سے بچایا اور ان کو یہ سمجھایا کہ ایسا آسائشات سے دور جفاکشی کی زندگی کتنی زیادہ فطرت کے قریب ہے۔اب تو آہستہ آہستہ انٹرنیٹ کی بندش اور فائروال جیسی جدید تکنیقی مہارتیں یہ بھی آپ نے ان کی خدمت میں پیش کر دی ہیں جن سے عوام بے راہ روی سے بچ سکتی ہے بھلا کس طرح کوئی مہذب ریاست اپنے شہریوں کے نظریات کی حفاظت کو نظر انداز کر سکتی ہے اس ریاست کی یہ خدمات کسی بھی مہذب ملک کے لیے مشعل راہ ہیں بلوچستان میں بھی اپ کی کارکردگی بہت قابل ستائش ہے اپ نے جس خوبی کے ساتھ وہاں پیدا ہونے والی جدوجہد اور اس کو سیاسی شعور سے روشناس کرایا پوری دنیا میں آپ کے علاوہ اور کوئی ملک نہیں ہے جس کو

اپنی قوم کے سیاسی شعور کی اتنی فکر ہو آپ نے بلوچ قوم کے پیاروں کو ان سے دور کر کہ نہ صرف ان کی سیاسی تربیت کی بلکہ ان کو ذہنی طور پر بھی مضبوط بنایا ویسے بھی انسان کی کمزوری وہی لوگ ہوتے ہیں جن سے وہ پیار کرتا ہے آپ نے بلوچ قوم کے پیاروں کو اغوا کر کے اس قوم کے لوگوں کو اس کمزوری سے بھی نجات دلادی ہے جس کی یقیناً دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی اس پر بلوچ قوم کو آپ کا بے حد شکر گزار ہونا چاہیے اور ان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ آپ ان کے کتنے خیر خواہ ہیں

ماہ رنگ بلوچ ہو یا سمی دین بلوچ ان جیسے کئی نوجوان اپنے پیاروں کی رہائی چاہتے ہیں اصل میں ریاست کا دیا ہوا یہ تحفہ ان سے چھیننا چاہتے ہیں پشتون عوام کے لیے بھی اپ کی خدمات قابل تحسین ہیں جیسا کہ یہ ایک سلیمہ حقیقت

ہے کہ دنیا میں اس وقت وہی قوم کامیاب ہیں جو تعلیم سے دور ہیں اور جنگجو ہیں آپ جو معصوم پشتونوں کا خون بہا رہے ہیں اس کے پیچھے یہی وجہ ہے کہ آپ ان کو جنگجو بنانا چاہتے ہیں پشتون قوم ہو یا پھر ہزارہ کمیونٹی آپ کے اپ کی مرات سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں آپ جو ان کا خون بہا رہے ہیں اس کے پیچھے یہی وجہ ہے کہ اپ ان کو جنگجو بنانا چاہتے ہیں میں آپ کی اس پالیسی پر آپ کو داد دیتا ہوں آپ نے پختونخوا کے لیے جنگ جیسی خوش آئند چیز کا انتخاب کیا کیونکہ آپ کو یہ معلوم ہے کہ کسی بھی قوم کی ترقی میں جنگ کا بہت اہم کردار ہوتا ہے منظور پشتین اور دیگر لوگ جو امن کے خواہش رکھتے ہیں ان کو بھی آپ نے بڑے احسن انداز سے جبر مسلسل میں رکھا ہوا ہے کیوں یہ لوگ بیرونی قوتوں کے ایجنٹ ہیں معلوم ہوتے ہیں کیونکہ دشمن ممالک تو یہی چاہتے ہیں کہ یہاں جنگ جیسی خوش آئند چیز کی بجائے امن جیسی بربادی آئے۔

آپ کے دل میں عوام کا اتنا درد دیکھ کر انکھوں میں انسو بھر آئے دنیا کا کوئی بھی ملک اپنے شہریوں سے اس قدر محبت نہیں کرتا اپ نے اس نعرے کو سچ کر دکھایا

ریاست ہو گی (سوتیلی) ماں جیسی

اظہار رائے کی جتنی عظیم نعمت سے اپ نے اس قوم کو نوازا ہے اس پر تو آپ کا جتنا بھی شکریہ کیا جائے کم ہے اس ملک میں ہر چیز پر بولنے کی ازادی ہے کوئی بھی صحافی (کسی اور ملک کی) غلط پالیسیوں کو بغیر کسی ڈر کے تنقید کا نشانہ بنا سکتا ہے کوئی بھی انسان (کسی اور ملک کے) ادارے پر بغیر کسی خوف کے تنقید کر سکتا ہے

ایک ایسی ازادی ہے جو نہ کسی نے انکھوں سے دیکھی نہ کانوں سے سنی

آپ نے صحافیوں کی حفاظت کو بھی اس قدر یقینی بنایا کہ اس کی چلتی پھرتی مثالیں ہمارے سامنے شہزاد سلیم ارشد شریف ابصار عالم، حامد میر اور دیگر صحافیوں کی صورت میں موجود ہیں اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو آپ کی بہترین پالیسیز کی وجہ سے ملک سے باہر رہنے پر مجبور ہیں مثلاً اگر احمد وقاص گورایہ پر پاکستان کی سرزمین تنگ نہ کر دی جاتی تو بھلا کس طرح وہ ہالینڈ میں رہائش پذیر ہو پاتا ایسے غدار جو قوم کا استحصال روکنے کی بات کریں اس ملک کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہے اور یہ لوگ ایسے ہی رویئے کے حقدار ہیں

آخر میں بس اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے اس عظیم سفر پر آپ کا بے حد شکر گزار ہوں پوری دنیا کے ممالک کو پاکستان سے سیکھنا چاہیے کہ ایک ملک کیسے فلاحی ریاست بن سکتا ہے والسلام

ایک پُرامید پاکستانی نوجوان

جہان داد کی اچھی لڑکی

عائشہ اکرم

''کیا بات ہے اچھی لڑکی آج پھر سے بہت خاموش ہیں؟''

اس کی بات پہ وہ آہستہ سا ہنسی تھی

''آج تو نہیں، میں نے جب سے زندگی کو سمجھا ہے انسان کو پرکھنا ہے تب سے خاموش ہو گئی ہوں''

''ہاں مگر آج میں آپ کو زیادہ خاموش محسوس کر رہا ہوں'' جہان داد کی بات پہ اس کے حلق میں کچھ اٹک سا گیا تھا شائد کسی چیز کا پھندا لگا تھا۔

''آپ مجھ پہ اتنا غور کرتے ہیں؟'' آنکھوں کی سطح پہ آئی ہلکی سی پانی کی تہ کو غیر محسوس انداز میں پلکیں جھپک کے پیچھے دھکیلا تھا۔

''دنیا میں اور کوئی کام ہی نہیں ہے آپ کو دیکھنے، سننے، پڑھنے کے علاوہ'' وہ جذب سے اپنی قاتلانہ مسکراہٹ سے ہنسا تھا۔

مقصد اس کو اس کی لایانی، خود ساختہ سوچوں سے نکالنا اور بچانا تھا

''جے ____؟''

''جی جانِ جہان؟'' وہ دل و جان سے اس کی جانب متوجہ ہوا، کافی کا مگ اس نے شلف پہ رکھ دیا جس میں وہ ان دونوں کے لیے کافی پھینٹ رہا تھا

وہ جو سوال پوچھنا چاہا رہی تھی اس کا جواب جہاں داد کے عمل سے مل گیا تھا مگر

آپ کی نظر میں 'محبت اور احترام' میں کیا فرق ہے؟

عزت و احترام محبت کا دوسرا نام ہے مگر آج محبت صرف ظاہری حد تک محدود ہو کے رہ گئی ہے، اگر آپ پرفیکٹ لگ رہے ہیں، اگر آپ ایک اچھا بزنس چلا رہے ہیں، اگر آپ چپ چاپ سب کی مان رہے ہیں تو سمجھیں آپ سے سب محبت کرتے ہیں مگر اس میں مفاد ہے عزت کہیں نہیں۔ اور احترام تو ان سب مفادات سے پاک ہے، آپ کو آپ کی کمیوں کے ساتھ قبول کرنا، چار لوگوں میں آپ کو ڈیفنڈ کرنا، آپ کی خوشی کا سوچنا، آپ کو کیا ہرٹ کر سکتا ہے اس بات کا خیال رکھنا، آپ کے لیے گجرے لانا، گرمی میں آپ کے لیے کچن میں گھس کے کافی بنانا۔ آئی کچھ بات سمجھ میں؟

وہ تھوڑا سا جھک کے اس کی آنکھوں میں شرارت سے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا، اب کی بار اس نے اپنے آنسوؤں چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، یہ آنسوؤں جہان داد کا اس کی زندگی میں موجودگی کی خوشی میں بہہ نکلے تھے

''آپ اچھے کاونسلر ہیں جے''

جی جناب اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ میرے متھے ایک پاگل لڑکی لگنے والی ہے اس لیے انھوں نے مجھے اس گرسے نواز کے بھجا ہے زمیں پہ۔ جہان داد کا انداز ایسا تھا کے وہ روتے سے کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

اس کی ہنسی کچن کی حبس زدہ فضا میں گونجی تھی دل سے ایک انجانا سا بوجھ سرکا تھا تو چہرے پہ ایک عجیب سی روشنی چھا گئی تھی۔

اللہ کے بعد عورت کو جو عام ترین سے حسین ترین بنا سکتا ہے وہ مرد ہے۔

وہ جانتی تھی اللہ نے اس کو جو مرد عطا کیا تھا وہ دنیا کے حسین ترین مردوں میں سے ایک تھا

اور جہان داد نے دیکھا کے عورت تو لفظوں سے ہی خوش ہونے والی ذات ہے

ہاں بس لفظوں میں سچائی ہو اور خوش کرنے والا واقعی ایک مرد ہو۔

اردو ادب کے چٹکلے

غلطی سے چلا گیا ہو گا

شوکت تھانوی کی جب پہلی غزل چھپی تو انہوں نے رسالہ کھول کر میز پر رکھ دیا تاکہ آنے جانے والے کی نظر پڑتی رہے۔ مگر شامت اعمال سب سے پہلے ان کے والد صاحب کی نظر پڑی انہوں نے یہ غزل پڑھتے ہی ایسا شور مچایا گویا کہ چور پکڑ لیا ہو۔ والدہ صاحبہ کو بلا کر انہوں نے کہا آپ کے صاحبزادے فرماتے ہیں۔

ہمیشہ غیر کی عزت تیری محفل میں ہوتی ہے

تیرے کوچے میں جا کر ہم ذلیل و خوار ہوتے ہیں

میں پوچھتا ہوں یہ وہاں جاتا ہی کیوں ہے کس سے پوچھ کر جاتا ہے؟

والدہ بیچاری خوفزدہ آواز میں بولیں۔ ''غلطی سے چلا گیا ہو گا"

دریا کی موجوں کو تحفہ

محمد عثمان ارشاد

یہ الفاظ محمد کے پردۂ سماعت سے ٹکرائے تو چونک اٹھا اور اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ الفاظ ہی کچھ ایسے تھے " ہائے ہائے کشتی والو! میرا سرمایہ لٹ گیا، میرے پاس ہزار اشرفیوں کا تھیلا تھا مگر وہ کھو گیا ہے"۔

محمد جو کہ علم کا متلاشی تھا اور وہ دور دراز کا سفر کرتا تھا، محمد ابھی نوجوان ہی تھا، وہ اپنے علم کی پیاس بجھانے کے لیے اسے یہ بحری سفر کر رہا تھا۔ ان الفاظ کے سنتے ہی وہ پریشان ہو گیا پھر اس نے خاموشی اور احتیاط سے وہ ہزار اشرفیوں والا تھیلا دریا کی بے تاب موجوں کے سپرد کر دیا جب کہ کشتی والوں کی تلاشی شروع ہو چکی تھی مگر محمد کے اس عمل کو ہاتف نہ دیکھ سکا کہ اس نے اشرفیوں کا تھیلا دریا کی موجوں کو بطور تحفہ پیش کر دیا۔

دراصل محمد ایک شریف اور نیک نوجوان تھا۔ اس نے اس بحری سفر میں زادِ راہ کے طور پر ہزار اشرفیوں کو ساتھ لے لیا تھا مگر کشتی میں ایک شخص اس سے انتہائی مروت و اخلاص سے پیش آیا۔ حسن خلق کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ فرشتے بھی رشک کی نگاہوں سے دیکھیں۔ اس نے محمد کی خوب آؤ بھگت کی ، یہی وجہ تھی کہ محمد نے اس کو فرشتہ صفت انسان خیال کیا اور اس کی عظمت سے مرعوب ہو کر اپنا ہزار اشرفیوں والا راز بتا دیا مگر وہ آستین کا سانپ دنیا کے مال کا حریص تھا۔

بقول شاعر:

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز

دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

اس نے چال چلی اور شور مچانا شروع کر دیا تھا کہ میری ہزار اشرفیاں گم ہو گئیں ہیں۔ چوں کہ اردو کا محاورہ ہے: "بدا چھا بدنام برا" چناں چہ محمد نے بھی اپنے پاکیزہ اور شفاف شباب پر دھبہ گوارا نہ کیا، اللہ کا نام لے کر اشرفیوں کا تھیلا دریا کی موجوں کے سپرد کر دیا۔

کشتی کے تمام مسافروں کی تلاشی مکمل ہو چکی تھی مگر اب حیران ہونے کی باری اس ظالم شخص کی تھی، اس کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ اہل سفینہ نے بھی اس کو جھوٹا اور نہ جانے کیا کیا کہا لیکن اس کی حیرانی مزید بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے تنہائی میں محمد سے سوال کیا کہ آپ کی تھیلی کہاں گئی؟ محمد نے جواب دیا کہ "دریا میں پھینک دی تھی"

تو اس ظالم شخص نے کہا کہ اتنی زیادہ دولت کھونے پر افسوس نہیں! تو محمد نے جواب دیا کہ عزت دولت سے قیمتی ہے، میں اپنی ناموس پر داغ گوارا نہیں کرتا جب کہ میں خاتم النبین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کا خادم ہوں اور میں نے ساری زندگی احادیث رسول ﷺ اکٹھی کرنے میں گزار دی ہے تو میں خود پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔

جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: تو اگر پہاڑ سے گرے تو یہ تیرے لیے اتنا نقصان دہ نہیں جتنا کہ تو کسی کی آنکھوں سے گر جائے"

اور اسی طرح ایک دانا کا قول بھی ہے کہ "دولت تو دوبارہ مل سکتی ہے مگر عزت ایک ایسی چیڑیا ہے جو اڑ جائے تو دوبارہ نہیں واپس مل سکتی"

وہ ظالم شخص اب پانی پانی ہو چکا تھا جب کہ دریا میں موجود پانی کی موجیں یوں اٹھکھیلیاں کر رہی تھیں جیسے محمد کی عظمت کو سلام پیش کر رہی ہوں، سلام کیوں نہ پیش کرتیں؟ آج سارا زمانہ ان کو سلام پیش کرتا ہے۔ جی ہاں! یہ وہ محمد بن اسماعیل ہے جسے اہل علم نے "امام بخاری" کے لقب سے ملقب کیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب "صحیح البخاری" کی عظمت اور مقام سے کون ناواقف ہے؟ شاید کوئی نہیں!

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا مزار وسطی ایشیائی ملک "ازبکستان" کے شہر "بخارا" میں واقع ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر ان گنت رحمتیں نازل فرمائے۔

بقول اقبال:

آسماں تیری لحد پر شبنم آفشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(آمین یارب العالمین)

"خونی کھیل"

کنزہ عروج

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔اشفاق کے گھر میں اشفاق کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ایک طرف جہاں تمام لوگ جشن اور خوشی میں ڈوبے ہوئے تھے وہیں دوسری طرف شادی کی ذمہ داریاں بھی سر پر تھیں۔ہر طرف گہما گہمی کا عالم تھا۔گھر کے سب سے لاڈلے بیٹے کی شادی بہت دھوم دھام سے کرنا طے پائی تھی۔گندمی رنگت، بھوری آنکھوں والا بائیس سال کا نوجوان اشفاق سفید شلوار قمیض زیب تن کیے پندرھویں روزے کی شام گھر سے افطاری کا سامان لینے نکلا۔موٹر سائیکل نکالی اور بازار کی طرف روانہ ہوا۔سڑک پر ٹریفک رواں تھی۔ٹریفک کے اسی ہجوم میں اشفاق بھی اپنی منزل کی طرف رواں تھا۔اچانک وہ موٹر سائیکل سے زمین پر آ گرا ایک لمحے کے لیے کھڑا ہوا اور جاننے کی کوشش کی کہ آخر ہوا کیا ہے۔موٹر سائیکل سڑک پر تھی۔سفید کپڑے خون سے رنگ چکے تھے۔وہ خود خون میں نہا چکا تھا۔اس کی شریانیں سینکڑوں ملی لیٹر خون سیکنڈوں میں جسم سے باہر نکال رہی تھیں وہ زمین پر گر گیا۔ایک دکاندار نے جب یہ منظر دیکھا تو فوراً سفید چادر لیے اس کی طرف بھاگا تاکہ بہتے ہوئے خون کو چادر کی مدد سے روکا جا سکے۔مگر خون بہنا تھا بہہ گیا۔ہر طرف کہرام مچ گیا۔لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔دکان دار نے کہا:

دکان دار: کوئی ایمبولینس کو فون کرو جلدی۔

چند منٹوں میں ایمبولینس آ پہنچی۔ وہاں موجود ہر شخص کا چہرہ افسردہ اور دل غمگیں تھا۔ دکان دار نے اشفاق کی جیب سے موبائل نکالا۔ موبائل پر خون لگا ہوا تھا۔ دکان دار نے خون صاف کر کے اشفاق کے موبائل سے اس کے بھائی اسد کو کال کی۔ پہلی ہی کال پر اسد نے فون اٹھا لیا۔ اسد بولا:

اسد: اشفاق افطاری کا سامان لینے گئے ہو کہیں پیسے تو گھر نہیں بھول گئے؟

اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

دکان دار: آپ اشفاق کے بھائی ہیں؟

اسد: جی میں اشفاق کا بھائی ہوں۔ آپ کون ہیں؟ اشفاق کا موبائل آپ کے پاس کیا کر رہا ہے؟ اشفاق کہاں ہے؟

اسد کے لہجے سے پریشانی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

دکان دار: آپ کے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہو گیا ہے۔ جلد از جلد ڈجکوٹ روڈ آ جائیں۔

یہ سن کر اسد کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اسد کے چہرے کے تاثرات دیکھ تھوڑے فاصلے پر بیٹھی اسد کی والدہ نے اسد سے پوچھا:

والدہ: بیٹا کس کی کال تھی؟ اتنا پریشان کیوں ہو؟

اسد: کچھ نہیں والدہ۔

یہ کہتے ہوئے اسد ننگے پاؤں باہر کی جانب بھاگا۔ڈجکوٹ روڈ پہنچ کر جب اپنے بھائی کو خون میں لت پت دیکھا تو اسد کے سر پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔اشفاق کو ایمبولینس میں ڈال کر گھر لے جایا گیا۔اسد نے دروازے پر دستک دی تو اسد کی والدہ نے دروازہ کھولا۔اسد گم سم ساکن کھڑا تھا۔اسد کی والدہ کی نظر جب ایمبولینس پر پڑی تو:

والدہ: یہ ایمبولینس کیوں آئی ہے؟ بتاؤ مجھے میرا دل پھٹ جائے گا۔

اسد کچھ نہ بول سکا۔جو منظر کچھ دیر پہلے اس نے دیکھا اسے اس پر یقین نہیں آرہا تھا۔اتنے میں ایمبولینس والوں نے سٹریچر ایمبولینس سے باہر نکالا۔سٹریچر پر پڑے شخص کے اوپر سفید رنگ کی چادر ڈالی ہوئی تھی۔اشفاق کی والدہ نے آگے بڑھ کر کانپتے ہاتھوں سے جب چہرے سے چادر ہٹائی تو اس قدر درد بھری چیخ ماری کہ وہاں موجود ہر شخص لرز کر رہ گیا سارا محلہ وہاں جمع ہو گیا۔چہرہ ڈھانپنے کے لیے جو چادر چہرے پر ڈالی گئی تھی وہ خون سے رنگ چکی تھی۔شادی والے گھر میں جہاں شہنائیاں بجنی تھیں صف ماتم بچھ گیا بائیس سال کے نوجوان کی ایسی موت نے ہر طرف فضا کو افسردہ کر دیا۔ دھاتی ڈور نے گردن کاٹ دی۔پتنگ اڑانے کا شوق زندگی نگل گیا۔دھاتی ڈور نے اشفاق کی شہ رگ کاٹ ڈالی۔خونی کھیل نے اشفاق کو خون سے رنگ دیا۔رنگ تو زندگی ہوتے ہیں۔رنگ موت بھی ہوتے ہیں یہ پہلی بار دیکھا۔قاتل ڈور نے اشفاق کی زندگی کی ڈور کاٹ ڈالی۔خوں بہنا تھا بہہ گیا۔جان

جانی تھی چلی گئی۔ وہ آلہ قتل جو تم بنا رہے ہو بناتے رہو تمہارا شوق بہت مہنگا ہے اور انسانی جان بہت سستی ہے۔ جو دھاگہ تم نے دل لبھانے کو خریدا ہے وہ کسی کے بدن کو چیر پھاڑ بھی سکتا ہے۔ آج اس نوجوان کی موت دیکھ ہر دل خون کے آنسو رو رہا ہے اور اس ماں کے درد کو بخوبی سمجھ رہا ہے جس کا بائیس سال کا نوجوان بیٹا کسی کے چند منٹ کے انجوائمنٹ کی بھینٹ چڑھ گیا۔ پتنگ اڑانے سے پہلے یہ سوچنا ضرور تمہارا کھیل کوئی گھر اجاڑ سکتا ہے۔ کیا خونی کھیل کا شوق بہت مہنگا ہے اور انسانی جان بہت سستی ہے؟ وہاں موجود ہر شخص کے ذہن میں یہی سوال تھا۔

موضوع: تقلید

از قلم: لائبہ گل

قدرت نے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہر شخص کو ودیعت کی ہے۔ جس سے ہر شخص غلط اور درست میں تمیز کر سکتا ہے۔ "لیکن مقامِ افسوس یہ ہے کہ اکثریت اس صلاحیت کو بروئے کار لانے کے بجائے دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے اپنی صلاحیت کا درست استعمال کرنے سے قاصر ہے"

ایک ایسا شخص جو دوسروں کی تقلید میں چلتے ہوئے دیکھتا تو اپنی آنکھوں سے ہے لیکن اس کی نظر پر دوسروں کا اثر ہے۔ وہ سوچتا تو اپنے دماغ سے ہے لیکن اس پر دوسرے شخص کے نظریے کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ حرکات و سکنات تو اپنی استعمال کرتا ہے مگر انداز دوسرے شخص کا ہوتا ہے۔

دراصل ذہنی پیچیدگیوں، بگڑتے ہوئے سماجی رویوں اور مفاد پرستی کی گرہ اس قدر مضبوط ہو چکی ہے کہ ایک شخص اپنا فائدہ سوچتے ہوئے دوسرے کی تقلید میں اپنے نظر، اپنے نظریے، اپنی سوچ، اپنے زاویے اور انداز پر ایک بھاری پردہ ڈال چکا ہے۔

ایک عامیانہ روش جس کا چلن تقریباً آج ہر شخص کے لیے زہرِ قاتل ہے معاشرتی رویوں کے بگاڑ کا بڑا سبب ہے۔ وہ یہی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے نامناسب تعلقات کی بنیاد پر اختلاف کرتے ہوئے اس شخص کا مددگار بن جاتا ہے جو اسی کا ہم خیال اور اس کے حریف کا حریف ہوتا ہے۔ یہ منفی

رویہ بہت سے تعلقات میں غلط فہمیوں کو فروغ دینے میں اپنا کردار بہم پہنچا رہا ہے اور اسے پہنچانے والے خوب خوب نبھا رہے ہیں۔

جیسے ایک تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں اسی طرح کسی بھی پہلو کے دو رویے اس کی عکاسی کرتے ہیں جن میں پہلا رویہ مثبت اور دوسرا رویہ منفی ہوتا ہے۔ اگر تقلید کے مثبت اور منفی رویوں پر غور کیا جائے تو منفی رویے کو ختم کرنے اور مثبت رویے کو فروغ دینے کی آج کے دور میں ایک بہت بڑی ضرورت بن چکی ہے۔ جہاں اس کے منفی رویے روز روز بڑھ رہے ہیں وہیں اس کے مثبت رویوں کو پھیلانا ناگزیر ہو گیا ہے اور یہ اسی طور ممکن ہے جب ایک ذہنی پیچیدگی جذبہ حسد و رقابت سے ہٹ کر خود کو انفرادی حیثیت سے مثبت سوچ کی جانب گامزن کرے۔

ادبی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں تقلید کے مثبت رویے اس دور کے عکاس ہیں۔ سوچ و فکر اور ایک صاف ستھرے نظریے کے غماز ہیں۔ جہاں تقلید تو کی گئی لیکن نظریے کی اور نظریہ کون سا جو اعلیٰ اقدار کا حامل تھا جس میں تخریبی پہلو کا دور دور تک کوئی واسطہ نظر نہیں آتا۔ اسی مثبت اور تخلیقی تقلید کی ضرورت آج کے معاشرے، معاشرتی رویوں بدلتے لہجوں، فکری رنجشوں کو دور کرنے کا ذریعہ واحد ہے۔

رنگین کمان

زین علی

"ماما!۔۔۔ماما!" دس سالہ آمون نے اپنی ماں کو آواز لگائی۔اسکی آواز میں جوش اور خوشی تھی۔

وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھا اور اسکی ماں کچن میں تھی۔

"کیا ہوا میری جان؟" ایک خوبصورت جوان لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔وہ تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

وہ قدم قدم چلتی بیڈ تک آئی اور بیٹھ گئی۔"کیا ہوا مون۔"

وہ اسے پیار سے مون کہا کرتی تھی۔سب ہی کہتے تھے۔

"ماما! کل عید ہے؟" آمون نو بجے سو گیا تھا اور اب جب اچانک اسکی آنکھ کھلی تو اس نے عید کی خبر جاننے کیلئے ماں کو آواز لگائی ت

"ہاں میری جان کل عید ہے۔آپ سو جاؤ کل جلدی اٹھنا ہے۔" وہ اداسی سے بولی۔

عید کا اعلان ہو چکا تھا۔کل عید تھی۔خوشیوں کا دن۔

"اور بابا؟"آمون نے ماں کو امید بھری نظروں سے دیکھا۔

"بیٹا وہ۔۔۔

"وہ نہیں آرہے۔۔۔"آمون نے اپنی ماں کا ادھورا جملہ پورا کیا۔

عید ہر کسی کیلئے خوشی نہیں لاتی۔کچھ لوگ اس دن کی وجہ سے اداس بھی ہو جایا کرتے ہیں۔

آمون نے اداسی سے اپنی ماں کو دیکھا۔وہ چھوٹا تھا لیکن کافی سمجھدار اور ذہین تھا۔

"ہم کال کر لیں گے بابا کو کل۔آپ سو جاؤ۔"

آمون بنا کچھ کہے دوبارہ لیٹ گیا۔اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اسکی ماں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اٹھ کر باہر نکل آئی۔

یہ حسنا ریا تھی۔چوبیس برس کی خوبصورت،اداس لڑکی۔آمون اسکی بہن کا بیٹا تھا۔وہ آمون کو جنم دیتے ہوئے اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔

آمون کیلئے حسنا ہی اسکی ماں تھی۔

آمون کا باپ جبران حمید کام کی وجہ سے لاہور رہتا تھا اور سال میں صرف ایک دو بار ہی آتا تھا۔

وہ سمجھتا تھا کہ آمون کی وجہ سے اسکی بیوی سارا گزر گئی تھی۔اسی وجہ سے اسے آمون سے محبت تھی نہ اسکا خیال تھا۔

وہ ہر ماہ حسنا کو اسکے خرچ کیلئے ایک بھاری رقم بھیج دیتا تھا۔

لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ رشتوں کو نبھانے کیلئے پیسوں کی نہیں محبت کی ضرورت ہوتی ہے

حسنا اسکے کمرے سے نکل کر باہر چھوٹے سے لیونگ روم میں آگئی۔ایک طرف صوفے تھے اور سامنے دیوار پر ایل سی ڈی لگی ہوئی تھی۔دوسری طرف سامنے دیکھا جائے تو حسنا کا کمرہ تھا اور ایک طرف چھوٹا سا کچن اور کچن کی بائیں طرف آمون کا کمرا تھا اور اسکے ساتھ گیسٹ روم تھا۔

یہ چھوٹی سی بلڈنگ کا ایک خوبصورت فلیٹ تھا۔یہ فلیٹ بھی جبران کا ہی تھا۔

حسنا ریا کی ماں اپنے بیٹے کے ساتھ کسی دوسرے شہر میں رہتی تھی۔باپ بہت عرصے پہلے اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔

حسنا، سارا (حسنا کی بڑی بہن) کی شادی کے ایک سال بعد اس کے ساتھ رہنے آگئی تھی کیونکہ جبران شہر سے باہر ہی رہتا تھا۔سارا کی وفات کے بعد حسنا ریا نے اپنی تعلیم پوری کی اور ایک پرائیویٹ سکول میں بطور ٹیچر نوکری شروع کر دی۔

شادی کے دو سال بعد آمون پیدا ہوا اور سارا اللہ کو پیاری ہو گئی تب سے حسنا ہی اسکی پرورش کر رہی تھی اسکی ماں بن کر۔

وہ آمون کو پیدا کرنے والی ماں تو نہیں تھی لیکن پرورش کرنے والی بھی تو ماں ہی ہوتی ہے نا۔

اس نے صوفے کی سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھایا اور جبران کا نمبر ملانے لگی۔

تین چار بار رنگ بجنے کے بعد آخر جبران نے کال اٹھالی تھی۔

"آپ کل آرہے ہیں؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

وہ دوسری طرف بولتے جبران کی بات سننے لگی۔

"لیکن عید ہے۔۔۔ مون کتنے ہی دنوں سے مجھے بار بار پوچھ رہا ہے۔ زیادہ نہ سہی کم از کم ایک دو دن کیلئے آجائیں۔" وہ بتانے لگی۔ "وہ بہت مس کرتا ہے آپکو اور اسے ضرورت بھی ہے آپکی۔"

وہ مزید کچھ بولنے کیلئے منہ کھولنے ہی والی تھی کہ یک دم رک گئی۔ دوسری طرف شاید جبران جواب دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اللہ حافظ۔" اس نے مایوسی سے فون کان سے ہٹایا۔

اس نے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر دیں۔

بارش کی وجہ سے موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

اسکی شاید وہیں بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی جب اچانک دروازے پر دستک سنائی دی

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھی۔

وہ قدم قدم چلتی دروازے تک آئی۔

"کون ہے؟" اس نے آواز لگائی۔

"میں ہوں حیدر علی۔" ایک مردانہ آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔ "دروازہ کھولو میں بارش میں بھیگ چکا ہوں۔"

حسنا نے دروازہ کھول دیا۔

سامنے ایک اونچے قد، گندمی رنگت والا جوان لڑکا بھیگے ہوئے کپڑوں میں کھڑا تھا۔

اسکا کسرتی وجود دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ روٹین سے ورک آؤٹ کرتا ہو گا۔

"کپڑے بدل لو۔" اس نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

وہ اندر داخل ہوا۔"شکریہ۔"وہ چلتا ہوا باتھ روم کی طرف چلا گیا

"اندر وارڈروب میں جبران کی ایک قمیض شلوار ہو گی، وہ پہن لو۔"اس نے پیچھے سے آواز لگائی۔

یہ حیدر علی تھا۔حسنا کا کزن اور دوست۔حسنا سے دو سال چھوٹا۔

حیدر علی اسی شہر کی ایک کمپنی میں کام کرتا تھا اور کبھی کبھار اسکی طرف چکر لگا لیتا تھا۔

وہ باتھ سے نہا کر کپڑے تبدیل کر کے آ چکا تھا۔یہ قمیض شلوار اسے ذرا چھوٹی اور تنگ تھی۔

"اتنی رات کو کیسے آنا ہوا؟"حسنا نے پوچھا

"یار کیا بتاؤں دوستوں کے ساتھ شاپنگ کرنے نکلا تھا۔اچانک بارش ہونے لگی تو میں اس طرف اتر گیا۔سوچا تم سے مل لوں گا۔"

"اچھا۔۔۔رکو گے آج؟"حسنا نے اگلا سوال کیا۔

"ہاں ارادہ تو ہے۔۔۔بائے داوے عید مبارک۔"وہ مسکراتا ہوا اسکے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

"خیر مبارک۔"اس نے بے دلی سے جواب دیا۔

"کیا ہوا حسنا۔۔۔سب ٹھیک ہے نا؟"وہ اسے پریشان لگی تھی۔

"نہیں یار۔۔۔جبران کو کال کی تھی اسکا کہنا ہے کہ وہ نہیں آسکتا۔آمون اسے روز یاد کرتا ہے۔وہ بڑا ہو رہا ہے اسے باپ کی ضرورت ہے۔"

"حسنا۔!تم۔۔۔تم کب تک ایسے رہو گی۔"وہ بولا۔

وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جبکہ وہ دیوار پر لگی اپنی اور آمون کی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کیسے ؟"وہ سمجھ چکی تھی کہ حیدر کیا کہہ رہا ہے لیکن پھر بھی انجان بن رہی تھی۔

"تم نے دس سال اس بچے کو دیے ہیں۔۔۔اور اسکا بے پرواہ باپ کسی دوسرے شہر میں بیٹھا ہے۔اسے نہ اپنی اولاد کی پرواہ ہے نہ تمہارے اس احسان کی۔"

"ایسی بات نہیں ہے حیدر۔"ہولے سے بولی۔"وہ ہر ماہ گھر خرچ تو بھیجتا ہی ہے۔"

وہ اداس تھی۔وہ بہت دکھی لگ رہی تھی۔

"چلو۔"وہ اٹھ کھڑا ہوا۔"چلو میرے ساتھ۔"حیدر نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچ کر کھڑا کیا۔

"کہاں ؟"

"مون سو رہا ہے چلو مارکیٹ چلتے ہیں۔مون کیلئے تم نے شاپنگ کر لی ہو گی اور مجھے پتا ہے تم نے اپنے لئے کچھ نہیں لیا۔"

"ارے۔۔۔مجھے نہیں چاہیے کچھ۔"وہ دوبارہ سے بیٹھ گئی۔

"چلونا۔۔۔میرے لئے۔"حیدر نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

دونوں کی نظریں ملیں۔حسنا نے فوراً پلکیں جھکالیں۔

"اچھا چلو۔"وہ ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی۔"میں ذرا منہ ہاتھ دھولوں۔"

وہ اٹھی اور باتھ روم کی طرف چلی گئی۔

حیدر علی اسکا انتظار کرنے لگا۔

بارش رک چکی تھی اور وہ دونوں بلڈنگ سے باہر نکل آئے تھے۔آمون سوچکا تھا تو وہ اسے گھر پر ہی چھوڑ آئے تھے۔

"وہ دیکھو چاند۔"حیدر علی نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہو کہا۔

حسنا نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔آسمان میں ایک باریک ہی آدھے دائرے جیسی چمکتی ہوئی لکیر تھی۔

"حسنا!تم شادی کب کرو گی؟"

وہ دونوں چلتے ہوئے روڈ تک پہنچ چکے تھے۔

"میں شادی۔۔۔ابھی کچھ نہیں سوچا۔"

حیدر نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا تو وہ اپنی گاڑی لے کر انکی طرف آ گیا۔

وہ دونوں اس میں سوار ہو گئے۔

"میں کچھ کہوں؟" حیدر علی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں کہو۔" وہ ہولے سے بولی۔

"دس سال تم نے جبران کی اولاد کو دے دیے لیکن اس نے آج تک تمہیں شکریہ تک نہیں کہا۔"

"حیدر وہ میری بہن کا بھی بیٹا ہے۔ میرا بیٹا ہے وہ۔" حسنا نے پہلے تو حیرانگی سے اسے دیکھا پھر جواب دیا تھا۔

"لیکن تمہاری اپنی بھی تو کوئی زندگی ہونی چاہیے نا۔" وہ باقاعدہ بحث کے موڈ میں تھا

"میرے لئے میرا بیٹا مون ہی میری زندگی ہے۔"

"وہ میں۔۔۔" آدھا 'میں' اسکے منہ میں ہی رہ گیا تھا۔

حسنا نے اسے حیرانگی سے دیکھا

یہ آج حیدر اتنی عجیب باتیں کیوں کر رہا ہے۔ حسنا ریا نے سوچا تھا۔

حیدر علی شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔

ٹیکسی مارکیٹ پہنچ چکی تھی۔

وہ دونوں اترے۔لوگوں کا ہجوم اور شور۔چاند رات ہے بھئی ہجوم اور رونق تو ہو گی ہی نہ۔

"چلو پہلے تمہارے لئے ڈریس لیتے ہیں۔"

"حیدر علی! مون گھر میں اکیلا ہے۔جلدی جلدی لیتے ہیں جو بھی لینا ہے۔"

ماں کو اپنے بچے کے علاوہ کچھ بھی اہم نہیں لگتا۔

لڑکیاں اور عورتیں چوڑیاں اور جھمکے لینے میں مصروف تھیں جبکہ انکے شوہر اور باپ بھائی سوئے ہوئے چھوٹے بچوں کر پکڑ کر انکے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

خواتین کے ساتھ ساتھ مرد حضرات بھی شوق سے عید کی شاپنگ کر رہے تھے اور کرتے بھی کیوں نہ بھئی ایک کم تیس روزوں کے بعد عید کا تحفہ ملا تھا۔

حسنا نے بھورے اور سنہرے رنگ کا ایک خوبصورت جوڑا خریدا تھا اور حیدر علی نے اپنے لئے جوتوں کی ایک جوڑی لی تھی۔

"حسنا! یہ دیکھو۔"حیدر علی نے حسنا کا بازو پکڑ کر اسے ایک سٹال کی طرف متوجہ کیا۔

"باجی! یہ دیکھیں۔۔۔ باجی! یہ رنگ آپ پر سوٹ کرے گا۔" سٹال والا نوجوان لڑکا چوڑیاں دکھانے لگا۔

"یہ اچھی ہیں۔" حیدر نے گولڈن براؤن چوڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا بھائی یہ پیک کر دو۔" حسنا جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔

"رکو یار۔۔۔" حیدر علی نے لڑکے کے ہاتھ سے چوڑیاں پکڑیں۔

"ہاتھ دو اپنا۔"

"کیوں؟"

"ارے بابا ہاتھ تو دکھاؤ۔" اس نے حسنا کا دایاں ہاتھ پکڑا اور دو دو کر کے اسے چوڑیاں پہنانے لگا

حسنا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"بہت پیاری ہیں۔ اب چلو۔" وہ تیزی سے بولی۔

جلدی جلدی شاپنگ کرتے ہوئے بھی انہیں دو گھنٹے لگ گئے تھے اور فائنلی وہ گھر پہنچ چکے تھے۔

آمون چین کی نیند سو رہا تھا۔

"حیدر! آج یہیں رک جاؤ۔ کل کا دن ہمارے ساتھ گزارنا۔ جبران تو آئے گا نہیں لیکن تمہیں دیکھ کر مون بہت خوش ہو گا۔"

"اچھا وہ تو ٹھیک ہے لیکن حسنا ایک بات کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"

"کیا؟" حسنا جمائی لیتے ہوئے بولی۔

"تم سو جاؤ کل بات کر لیں گیں۔ تمہیں نیند آ رہی ہے ایسے میری بات سمجھ نہیں آئے گی۔" وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

پیار سے۔ یوں جیسے اسے حسنا سے محبت تھی۔

کیا اسے محبت تھی یا اسکی عادت تھی سب کو پیار سے دیکھنے کی۔

•••

"عید مبارک ماما۔" آمون حسنا کے گلے لگا۔

وہ حیدر علی کے ساتھ مسجد میں عید کی نماز ادا کر کے آیا تھا۔

"عید مبارک میری جان۔" اس نے آمون کو سینے سے لگا لیا۔

حیدر علی اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"ماما میری عیدی دیں مجھے۔"مون نے ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔

حسنا نے بیگ سے کچھ نوٹ نکال کر اسکے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"یہ میری طرف سے۔"حیدر نے بھی کچھ بڑے نوٹ اسکی طرف بڑھائے۔

"حیدر یہ بہت زیادہ ہے۔"حسنا نے اسکا ہاتھ روکنا چاہا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔"

آمون نے نوٹوں کو اکھٹا کیا اور جیب میں ڈالنے لگا۔

"چلو کچن میں، میں نے کیک منگوایا ہے۔"حسنا نے آمون کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

"تم نے کپڑے نہیں تبدیل کئے۔"حیدر نے حسنا کو ایک نظر دیکھا۔

"تم اچھے لگ رہے ہو۔"حسنا نے اسکا سوال نظر انداز کرتے ہوئے اسکی تعریف کی۔

حیدر گہرے نیلے رنگ کے کرتے میں بہت پیارا لگ رہا تھا۔(حیدر علی نے کل رات اپنے روم میٹ سے اپنے کپڑے منگوا لئے تھے۔)

"شکریہ لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

اس نے حسنا کو بہت غور سے دیکھا۔

"ماما! بابا کب آئیں گے۔"آمون کو جیسے اچانک یاد آیا تھا۔

"مون بیٹا وہ بہت بزی ہیں وہ آج نہیں آ سکتے۔"حسنا کی بات مکمل طور پر پوری نہیں ہوئی تھی کہ اسکے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اس نے موبائل پکڑا۔

'جبران حمید 'سکرین پر نام جگمگا رہا تھا۔

اس نے فون کو کال سے لگایا۔

"ہیلو۔"

حیدر علی نے اسے آنکھوں سے "کون ہے "کا اشارہ کیا۔

"سچ میں۔۔۔ٹھیک ہیں ہم کہیں نہیں جائیں گے۔"اسکے چہرے پر دوسری طرف کی بات سن کر مسکراہٹ آگئی تھی۔

اس نے دُوسری طرف کی بات سن کر فون کو کان سے ہٹایا۔

"کون تھا حسنا؟"حیدر علی نے پوچھا۔

"جبران تھا۔۔۔وہ شام کو آرہا ہے۔"

"بابا آرہے ہیں ماما؟" آمون خوشی سے تقریباً اچھلا تھا۔

"ہاں میری جان۔" اس نے آمون کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"چلو پھر ہم شام تک کہیں باہر پارک چلتے ہیں۔" حیدر علی بولا۔ "کیوں مون چلیں۔"

"جی ماموں۔" آمون نے پیار سے کہا۔

"مجھے کھانا بنانا ہے۔ جبران کافی عرصے بعد آرہا ہے۔"

حیدر نے حسنا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"چلو یار بن جائے گا کھانا میں مدد کروادوں گا نا۔"

حسنا اسکی بات سن کر مسکرادی۔

"اچھا چلو۔۔۔" حسنا نے گہرا سانس لیتے ہوئے حامی بھری۔

حسنا کپڑے تبدیل کرنے کیلئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور حیدر علی آمون کے ساتھ بیٹھا اسکی عیدی گننے لگا۔

عید کی وجہ سے کافی فیملیز آج پکنک کرنے اس طرف آئی ہوئی تھیں۔وہ نیوٹاؤن پارک آئے تھے۔

بچے والی بال اور پکڑن پکڑائی کھیل رہے تھے اور آمون بھی ان بچوں کے ساتھ انجوائے کر رہا تھا۔

حسنا نے چاند رات کو خریدا جوڑا پہنا ہوا تھا جس میں وہ بہت زیادہ خوبصورت اور دلکش لگ رہی تھی۔

حیدر علی اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔وہ ایک کہنی کو زمین پر رکھے،ہاتھ کو تھوڑی تلے ٹکائے تقریباً لیٹا ہوا تھا اور حسنا ایک طرف سینڈوچ بنا رہی تھی۔

"حسنا! پیاری لگ رہی ہو۔برا نہ مانو تو تصویر بنالوں تمہاری۔" وہ یک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"تم کب سے کچھ کرنے سے پہلے اجازت لینے لگے۔" حسنا کا موڈ خاصا اچھا لگ رہا تھا۔"بنالو۔۔۔بلکہ ساتھ میں سیلفی لیتے ہیں۔"

وہ کھسک کر اسکے قریب ہو گیا۔اس نے اپنے موبائل کا کیمرہ آن کیا اور تصویریں بنانے لگا۔

وہ مسکرا رہی تھی۔

حیدر کے پرفیوم کی خوشبو اسکے نتھنوں سے ٹکرائی۔

"ابھی تک لگاتے ہو یہ پرفیوم؟" حسنا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"مجھے تو لگا تھا تمہیں میری گفٹ کردہ خوشبو اچھی نہیں لگی۔" وہ حیرت سے بولی۔

لیکن اسے کیا پتا تھا کہ حیدر علی تو اس پرفیوم کے بعد تین بوتلیں اور خرید کر یوز کر چکا تھا۔

"حسنا! مجھے کچھ کہنا ہے تم سے۔" اسکی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ آمون کے چیخنے کی آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔

حسنا گھبراہٹ میں تیزی سے اٹھی اور آمون کی طرف لپکی۔

ہاتھا۔ کسی بچے نے اسے دھکا دے دیا تھا۔ وہ گھاس پر گرا ہوا تھا اور گھٹنے کو سہلا رہا

"مجھے دکھاؤ۔" حسنا نے اسکا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

ہلکی سی چوٹ اور دو تین قطرے خون۔

"حیدر علی! بیگ سے بینڈیج لانا۔" حسنا نے آواز لگائی۔

وہ کل سے حسنا کو کچھ کہنا چاہتا لیکن کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"لایا۔" وہ ہولے سے بول کر اسکے بیگ میں دیکھنے لگا۔

وہ شام ہونے سے پہلے گھر آ گئے اور اب وہ اور حیدر علی مل کر کھانا بنا رہے تھے۔

حیدر علی یہاں شہر میں لڑکوں کے ساتھ رہتا تھا تو اس نے کھانا بنانا سیکھ لیا تھا اور سچ کہوں تو وہ بہت اچھا کھانا بناتا تھا۔

وہ دونوں کھانا بنا رہے تھے جبکہ آمون ہمسائے والے بچوں کے ساتھ انکے گھر کھیل رہا تھا۔

"جبران سے بات ہوتی رہتی ہے کیا؟" حیدر علی نے پوچھا۔

"نہیں یار بات کیا کرنی۔ آپی کے ہوتے ہوئے بھی میں کم ہی بات کرتی تھی جبران سے۔"

"اچھا۔۔۔ ٹھیک۔"

"ویسے حیدر تم بھی اب سیٹل ہو جاؤ۔"

"ہاں ایک لڑکی پسند آئی تو ہے۔ اس سے پوچھنا پڑے گا کہ وہ سیٹل ہونا چاہتی ہے یا نہیں۔"

"ہوں اچھی بات ہے۔"

وہ دونوں کھانا بنا چکے تھے اور اب میز پر پلیٹیں لگا رہے تھے۔

'ویسے لڑکی کون ہے؟" حسنا نے کافی دیر بعد پوچھا۔

"ایک بہت خوبصورت لڑکی ہے لیکن بہت سنجیدہ رہتی ہے۔"

"کبھی کبھی وقت ہنستے مسکراتے انسان کو بھی پتھر کی طرح سخت، خاموش اور سنجیدہ بنا دیتا ہے۔"

"لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مسائل بھی تو حل ہو جاتے ہیں۔"

حسنا ریا نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

پانچ بج رہے تھے۔

"میں مون کو لے آتی ہوں۔ تم بھی منہ ہاتھ دھولو۔" وہ اتنا کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"وقت سب بدل دیتا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

کچھ دیر تک وہ بھی فریش ہو کر باتھ روم سے نکل آیا تھا اور اب لیونگ روم میں بیٹھا اپنے دوستوں کو کالز کر رہا تھا۔

سب کو عید کی مبارکباد بھی تو دینی تھی۔

حسنا ریا اب کچن میں کھڑی میٹھا بنا رہی تھی اور آمون اپنے کمرے میں ٹیبلٹ پر گیم کھیل رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

حسنا اور حیدر علی نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا۔

"بابا آ گئے۔۔۔ بابا!۔۔۔ بابا!" آمون کمرے سے جوش اور خوشی سے چلاتا ہوا دروازے تک آیا۔

اسکے چہرے پر خوشی کی انتہا تھی۔ آج وہ بہت عرصے بعد اپنے باپ کے گلے لگے گا۔

حیدر علی بھی دروازے کے قریب آ گیا۔

"کھولو۔" حیدر علی نے ہولے سے آمون کو کہا۔

حسنار یا بھی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

آمون نے دروازہ کھولا۔

"بابا!"

سامنے جبران حمید کھڑا تھا۔ سنجیدہ سا۔ وہ اونچے قد اور چوڑے شانوں والا مرد تھا۔

چہرے پر مونچھ اور داڑھی تھی۔

آمون اس سے لپٹ گیا۔

جبران نے سنجیدگی اور بے دلی سے اسے گلے لگایا تھا۔

آمون پیچھے ہٹا تو جبران پھیکا سا مسکرا دیا۔

وہ جب بھی آمون کو دیکھتا تو اسے اپنی پیاری بیوی سارا یاد آ جاتی تھی۔

"آمون! میں تمہیں کسی سے ملوانا چاہتا ہوں۔"

جبران کے پیچھے راہداری میں ایک لمبی خوبصورت عورت اسی طرف آرہی تھی۔اسکے پیچھے دو بچے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی تھے۔

حسنا کو کچھ غلط لگا۔

حیدر علی کے رنگ بھی ہلکے سے پھیکے پڑ گئے تھے۔

"بابا اندر آئیں۔"آمون نے لاڈ سے کہا۔

"حسنا"جبران نے آواز لگائی۔

جبران نے ایک نظر حیدر علی کو دیکھا اور بے دلی سے ہاتھ ملا لیا۔

"اندر آجاؤ امیلیا۔"جبران نے پیچھے مڑ کر اس عورت کو کہا۔

وہ خوبصورت لمبے بالوں والی عورت ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔

وہ ان بچوں کے ساتھ اندر چلی آئی۔

حسنا سمجھ چکی تھی کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو چکا ہے۔

"سب لوگ لیونگ روم میں آجائیں مجھے کچھ بات کرنی ہے۔"جبران نے کہا۔

حیدر علی نے حسنا کو سکون میں رہنے کا اشارہ کیا۔

سب لوگ لیونگ روم میں صوفوں پر بیٹھ گئے۔

ان دو بچوں میں سے چھوٹا لڑکا جبران کی گود میں بیٹھ گیا۔

آمون اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے بابا کے ساتھ بیٹھنا چاہتا تھا لیکن وہ جگہ تو خالی ہی نہیں تھی۔

حیدر علی نے حسنا کو "کیا ہو رہا ہے؟" کا اشارہ کیا۔

"حسنا!۔۔۔ آمون! ان سے ملو یہ ہیں امیلیا۔" جبران نے اس عورت کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے ایک ادا سے اپنے بال پیچھے کئے۔

"ہیلو حسنا! ہیلو آمون بیٹا۔" وہ میٹھے سے لہجے میں بولی۔

لہجہ نقلی سا تھا۔

حسنا نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"آمون یہ آپکی نئی ماما ہے۔"

حیدر علی، آمون اور حسنا بیک وقت حیران ہوئے تھے۔

"جبران! یہ کیا کہہ رہے ہو آپ۔ آمون کی ماں میں ہوں۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"اس سے ایسا کچھ مت کہیں وہ چھوٹا ہے۔ وہ یہ سب نہیں سمجھ پائے گا۔"

"ہمیں اکیلے میں بات کرنی چاہیے۔" حیدر علی نے مشورہ دیا۔

"اچھا۔۔۔" جبران نے سوچتے ہوئے کہا۔ "آمون کیوں نہ تم میرا اور مومنہ کو اپنا کمرہ دکھاؤ۔"

"اوکے بابا۔" آمون الجھا ہوا تھا۔

اسکے بابا اس عورت کو اسکی ماں کیوں کہہ رہے تھے۔ وہ اسی بات میں الجھا تھا.

وہ دونوں بچوں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"حسنا! میری اور امیلیا کی شادی ہو چکی ہے۔" جبران نے بات شروع کی۔ "سارا سے شادی کرنے سے پہلے ہی امیلیا میری بیوی بن چکی تھی۔ جب سارا گزر گئی تو میں نے لاہور ہی رہنا شروع کر دیا۔ کیونکہ میری وہاں پہلے سے ہی فیملی بن چکی تھی۔ جب آمون پیدا ہوا میری بڑی بیٹی تین سال کی تھی۔"

حسنا سن بیٹھی سب سن رہی تھی۔ حیدر علی بھی حیران تھا۔

"یہ سب آپ اب دس سال بعد بتا رہے ہیں۔" حسنا سے رہا نہ گیا اور غصے سے بولی۔

"میں نے اور ایمی نے فیصلہ کیا ہے ہم آمون کو اپنے پاس رکھ لیں گے۔"

"واٹ!" حسنا غصے سے کھڑی ہو گئی۔ "مون میرا بیٹا ہے۔" اس نے انگلی دکھا کر کہا۔ "خبردار اگر اسے ہاتھ بھی لگایا تو۔"

اچانک فضا میں تالیوں کی آواز گونجی۔

یہ امیلیا تھی۔

سب نے اسکی طرف دیکھا۔

"واہ! بہت چالاک لڑکی ہو۔ایک امیر آدمی کے بیٹے کو چند سال پال کیا لیا تم تو اسکے پیچھے ہی پڑ گئی۔" امیلیا ہنسی۔"یہ سب تم میرے شوہر کی جائیداد کیلئے کر رہی ہو۔"

"تم اس میں مت آؤ۔"حسنا اس پر شیرنی کی طرح دھاڑی تھی۔

وہ شدید غصے میں تھی۔ہوتی بھی کیوں نہ ایک ماں سے اسکے بچے کو دور کرنے کی بات ہو رہی تھی۔وہ غصہ نہ ہوتی تو اور کیا کرتی۔

"ہم آمون کو ساتھ لے جائیں گے۔"جبران بے حسی سے بولا۔"یہ فلیٹ ہم تمہارے نام کر دیں گے۔وہ بھی اس لئے کیونکہ تم نے آیا بن کر میرے بیٹے کو پالا ہے۔"

حیدر علی خاموش بیٹھا تھا۔وہ کیا کہتا،اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا۔

"میں اس گھر کو چھوڑ رہی ہو۔تمہارے فلیٹ کو بھی۔"وہ غصے میں تھی۔

"تم نے آج تک جو بھی پیسے بھیجے ہیں وہ سب ویسے کے ویسے ہی ہیں۔ میں نے اپنے بیٹے کو اپنے پیسوں سے پالا ہے۔"

اسکی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

جبران یہ سن کر حیران ہوا۔

"میں نے دس سال اس بچے کو پالا ہے وہ میرا بیٹا ہے۔" حسنا کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا بن گیا تھا۔

"حیدر! مون کو لے آؤ ہم ابھی یہاں سے جائیں گے۔" حسنا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

جبران نے اسے زہر آلود نظروں سے دیکھا۔ وہ کیسا باپ تھا اسے صرف اپنی جائیداد کی فکر تھی۔

"میں آمون کو اپنی جائیداد سے بے دخل کر دوں گا۔ لے جانے دو اسے۔" جبران نے امیلیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں لے جاتی ہے تو لے جائے، مجھے بھی نہیں شوق دوسروں کے بچوں کو پالنے کا۔" وہ بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے بولی۔ "اچھا ہی ہے یہ فلیٹ بھی نہیں لے رہی۔"

"میرے بابا مجھے روز سکول چھوڑنے جاتے ہیں۔" میر اور مومنہ آمون کے کمرے میں تھے۔

آمون ایک طرف خاموش سا بیٹھا ہوا تھا۔

"وہ میرے بھی بابا ہیں۔" آمون نے ہولے سے کہا۔

وہ یہ سب سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ بچے اسکے باپ کو اپنا باپ کیوں کہہ رہے ہیں۔

"ہاں تم ہمارے سوتیلے بھائی ہو۔" مومنہ بولی۔

مومنہ، میر اور آمون دونوں سے بڑی اور سمجھدار تھی۔

وہ سوتیلا ہونا اور دُوسری شادی جیسی چیزیں جانتی تھی۔

"مون! میری جان۔۔۔ چلو۔"

حسنا ریا کمرے میں آئی۔ اسکے ہاتھ میں بیگ تھا۔

"ماما! بابا کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔" آمون کو لگا کہ وہ کہیں گھومنے جانے والے ہیں۔

معصوم بچہ، اسے کیا پتا تھا کہ آج اسکا بے حس باپ اسکی زندگی سے ہمیشہ کیلئے نکل گیا ہے۔

"چلو۔" حسنا نے پیار سے ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ حیدر علی باہر کھڑا تھا۔

"ہم جا رہے ہیں۔" حسنا نے جبران کو بنا دیکھے بتایا اور وہ تینوں گھر سے نکل آئے۔

آمون نے ترستی نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھا تھا لیکن جبران نے منہ موڑ لیا۔

یہ رشتے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ سگا باپ محبت نہیں کرتا اور جن سے صرف محبت کا رشتہ ہوتا ہے وہ ساری زندگی آپ کے نام کر دیتے ہیں۔

"ماما! بابا پاس جانا ہے۔" آمون بار بار کہہ رہا تھا۔

حیدر اس سارے وقت میں خاموش رہا تھا۔

"میری جان! ابھی ہم حیدر ماموں کے گھر جا رہے ہیں۔"

"چلو میں تمہیں گود ی اٹھا لیتا ہوں۔" حیدر علی نے آمون کو گود میں اٹھا لیا۔

وہ بلڈنگ کے باہر پہنچ چکے تھے۔

حسنا ریا نے مڑ کر ایک نظر پیچھے دیکھا۔

دس سال۔

اسے اپنے دس سال اس جگہ پر گزرتے ہوئے نظر آئے۔

"چلیں۔"

حسنا نے حیدر علی کی طرف دیکھا اور پھیکا سا مسکرا دی۔

عید کی وجہ سے حیدر علی کے فلیٹ میٹس اپنے اپنے گھر گئے ہوئے تھے۔

یہ بڑا سا فلیٹ تھا جس میں پانچ لڑکے رہتے تھے۔

"اس نے آخر ایسا کیوں کیا؟" حسنا بڑبڑائی تھی لیکن حیدر علی سن چکا تھا۔

"حسنا چھوڑو اس بات کو۔ تم اور مون کب سے اس کے بنا اکیلے ہی رہے ہو۔ اب بھی اس کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑے گا۔" حیدر علی صوفے پر بیٹھ گیا۔

آمون آتے ہی وقتی طور پر سب بھول کر سو گیا تھا۔

"لیکن مون کو فرق پڑے گا۔ وہ باپ ہے اسکا۔ اب نہیں تو کل وہ اسکے بارے میں پوچھے گا ہی۔" حسنا فکر مند تھی۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔۔۔ کل سے ہی کہنا چاہ رہا ہوں۔" حیدر علی نے اسکے تاثرات دیکھے۔

وہ ابھی تک جبران اور اسکی اس حرکت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک کہا اسکے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔"

"میں۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا۔ "میں بہت دنوں سے سوچ رہا ہوں کہ تم سے پوچھوں۔"

حسنا اسے دیکھ رہی تھی۔

جھ سے شادی کرو گی۔"حیدر علی تیزی سے بول کر دوسری طرف دیکھنے

"واٹ!"

"ہاں۔"حیدر علی نے امید سے اسے دیکھا۔

یہ زندگی کتنی عجیب ہے۔ایک پل کو طوفان آجاتا ہے اور دوسرے پل دھوپ کے ساتھ رنگین کمان نکل آتا ہے۔

"حیدر۔۔۔"وہ ہولے سے بولی۔"میں سوچ کر بتاؤں گی۔"

حیدر علی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس نے گہرا سانس لیا۔

شکر ہے فوراً انکار نہیں کر دیا حسنا نے۔حیدر علی نے سوچا تھا

"میں کھانے کیلئے کچھ لے آتا ہوں۔"

وہ اتنا کہہ کر اٹھا اور باہر نکل گیا۔

وہ دونوں کھانا کھا رہے تھے۔

"حیدر!" وہ ایک پل کیلئے رکی۔

حیدر نے اسکی طرف دیکھا۔

"میں تم سے شادی کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

"کیا!" وہ تقریباً چیخا تھا۔

"سچ کہہ رہی ہو۔" اسکے کھانا کھاتے ہاتھ رک چکے تھے۔

"ہاں۔" وہ مسکرائی۔ "مجھے لگتا ہے مجھے اپنی بے رنگ زندگی میں رنگ بھر لینے چاہیے۔"

حیدر علی مسکرا دیا۔

"ہم گھر والوں سے بات کر کے نکاح کی تاریخ رکھ لیتے ہیں۔" وہ جوش میں تھا۔ "ہم اپنا الگ سے فلیٹ لے لیں گے۔"

حسنا مسکرا رہی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ حیدر۔" حسنا کو جیسے کچھ یاد آیا تھا۔ "تم کب سے مجھے پسند کرتے ہو۔"

حیدر کے گال سرخ ہوئے۔ "بچپن سے۔" وہ بولا۔

دونوں ہنسنے لگے۔

حسنا نے اپنی بہن کی محبت میں اسکی اولاد کو دس سال دیے تھے لیکن اب اسکا بھی حق بنتا تھا کہ وہ اپنی زندگی شروع کرلے۔

"آئی لو یو۔" حیدر علی نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی ہو جائے گا۔" وہ ہولے سے مسکرادی۔

حیدر کے لئے یہ دلاسہ کافی تھا کہ حسنا کو بھی اس سے محبت ہو جائے گی۔

اور پھر ساتھ رہنے سے محبت نہ سہی، عادت تو ہو ہی جاتی ہے۔

"چلو اب کھانا کھالو پھر آمون کو بھی سمجھانا ہے۔" اسے آمون کی فکر ہوئی۔

"وہ سمجھ جائے گا۔ وہ بہت پیارا اور عقل مند لڑکا ہے۔"

حسنا پھیکا سا مسکرادی۔

چھے ماہ بعد انہوں نے نکاح کرلیا اور آمون کو قانونی طور پر اپنا بیٹا بنالیا۔

وہ خوش تھے اپنی رنگین کمان جیسی زندگی میں۔

وہ اب اگلی کسی عید پر بھی اداس نہیں ہوں گے۔ آمون حیدر کو بابا کہنے لگا تھا اور حیدر علی نے بھی اسے اپنا بیٹا مان لیا تھا۔

وہ خوش تھے۔

کالی راتوں کے بعد خوبصورت سویرا انکل ہی آتا ہے جو بے رنگ زندگیوں میں رنگ بھر دیتا ہے۔

پر نم آنکھیں

جویریہ

آنکھیں روتی ہیں۔آنکھیں ہنستی ہیں۔آنکھیں بہت کچھ چھپاتی ہیں۔اور بہت کچھ واضح بھی کر دیتی ہیں ۔آنکھیں چہرے کا آئینہ ہوتی ہیں۔آنکھیں بوجھل ہوتی ہیں اور تھک جاتی ہیں۔آنکھوں میں حیا ہوتی ہے۔آنکھیں شرماتی بھی ہیں۔ کبھی کبھار آنکھیں پر نم بھی ہوتی ہیں۔اور وہ سب کچھ بتا دیتی ہیں جو انسان برسوں سے چھپائے رکھتا ہے۔آنکھیں بہت اچھی ہوتی ہیں،دل کا بوجھ ہلکا کر دیتی ہیں۔

محبت نامہ

امرتا پریتم کا''آخری خط''جو اس نے اپنے محبوب ساحر لدھیانوی کو اس کے مرنے کے بعد لکھا تھا....

امرتا کا یہ خط ایک ادبی معراج ھے، جہاں نصیب والے ھی پہنچتے ھیں....

''میرے محبوب ویسے تو جب بھی کوئی نغمہ لکھنے لگتی ھوں، مجھے محسوس ھوتا ھے میں تم کو خط لکھنے لگی ھوں۔۔لوک گیتوں کی گوری کبھی کوؤں کو قاصد بناتی ھے،اور کبھی کبوتروں کے پیروں میں پیغام لپیٹ دیتی ھیں۔پرانے وقت اب گزر گئے،جب کوئی برہن

سر کے پراندے سے دگا گہ توڑتی تھی اور کسی جاتے راہ گیر کے پلو سے باندھ دیتی تھی۔

وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جو کسی چٹھی رساں کے قدموں کے سراغ لیتے ہیں۔ مگر جب۔۔ کسی کو خط ڈالنا ممکن نہ ہو تو اس وقت صرف ہوائیں ہی رہ جاتی ہیں جن کے پلو میں کوئی پیغام باندھ دیں ۔۔ کوئی میگھ جیسے کالی داس کا نامہ بر بن گیا تھا، میرا ہر نغمہ میرا ایک خط بن گیا ہے۔۔

'مجھے یاد ہے جب میں نے پہلے تمہیں لکھا تھا، ایک بیگانہ گاؤں تھا اور میں سوچنے لگی تھی کہ گاؤں بیگانہ ہے مگر تم کیوں بیگانے نہیں'

ایک دن میرے گھر کی دہلیز کو تمہارے قدموں نے چھوا۔۔ میں نے تمھاری آواز سنی تو مجھے محسوس ہوا،، جس ہوا میں تمھاری سانس ملی ہے اس میں ایک مہک آنے لگی ہے

ایک دن تم آئے، تمھارے ہاتھ میں کاغذ تھا، میں نے کہا پڑھ کر سناؤ گے ؟ اور تم نے اپنا نغمہ پڑھ کر سنایا۔۔ مجھے محسوس ہوا کہ تمھاری آواز جیسی میں نے کبھی آواز نہں سنی۔۔ تمھارے نغمے جیسا میں نے نغمہ نہیں سنا۔۔

'میں پھر آؤنگا' یہ زندگی میں تم نے پہلا قول دیا تھا۔۔

مجھے زندگی میں تمھارا پہلا خط ملا 'میں تیس تاریخ کو آؤنگا۔۔ مجھے لگا جیسے میرے انتظار میں تمہاری ایک ہی سطر نے رنگ بھر دئے'

پھر کبھی تمھارا خط نہیں آیا۔۔

میرے محبوب میں آج تمہیں آخری خط لکھ رہی ہوں۔۔اس کے بعد کبھی نہیں لکھونگی۔۔اور جب تم میرے جنگلی گیتوں کو پڑھوگے تو یہ نہ سوچنا کہ میں تمہیں خط لکھنا بھول گئی ہوں۔۔میں ان ہاتھوں سے صرف جنگلی گیت لکھونگی اور ایک نئی صبح کا انتظار کرونگی جو سیاہ نظام کو بدل دے۔۔دنیا کے اس نظام کو بدل دے جو شکاریوں اور لیٹروں کو پیدا کرتا ہے اور اگر میری زندگی میں وہ نئی روشن صبح آئی تو میں تمہیں اپنے پیار کا سنہری خط لکھونگی۔۔

(آج جب ساحر دنیا میں نہیں اور "تلخیاں کا ایک نیا ایڈیشن چھپ رہا ہے تو اسکے پبلشر نے چاہا کہ اس کا دیباچہ لکھ دوں۔ نظموں کے بارے میں کچھ نہیں کہونگی کہ ساحر کی شاعری کا مقام لوگوں کی روح اور تاریخ کی رگوں کا حصہ بن چکا ہے۔ مجھ پر ساحر کا قرض تھا۔اس دن سے جب اس نے اپنے مجموعہ کلام پر دیباچہ لکھنے کو کہا اور مجھ سے لکھا نہیں گیا۔آج وہی قرض اتار رہی ہوں۔اس کے جانے کے بعد، دیر ہو گئی،

خدایا بہت دیر ہو گئی"

(امرتا پریتم)

کہ گزارنا نہیں ہم نے زندگی کو جینا ہے

سیدہ ام حبیبہ

نہ مارو ے فادے اپنی بہن نوں نہ مار۔۔ماں دہائیاں دیتی جاتی تھی اور وہ بہن کو پیٹتا جاتا تھا۔ کتنی وار (دفعہ) کہا ہے کہ نہ کھڑی ہوا کرے بوئے (دروازے) میں۔ سنتی کیوں نہیں۔۔

وہ اسکی چوٹی پکڑ کے تھپڑ مارتے ہوئے بولا جبکہ مقابل چپ چاپ مار کھائے جا رہی تھی

میں نے ہی کہا تھا

شوکے کی بارات جا رہی ہے دیکھ لے۔۔اس کا کوئی قصور نہیں چھڈ (چھوڑ) دے پتر۔

دھان پان سی بیٹی کو جانوروں کی طرح پیٹتا دیکھ کر وہ روتے کرلاتے بولیں۔

جے تو میری ماں نہ ہوتی میں تجھے بھی بتاتا کیسے اولاد کو آوارہ بناتے ہیں۔۔اسکو دھکا دے کر وہ بکتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔۔۔ماں دوڑ کر پاس گئی اور بیٹی کو دیکھا جسکا چارپائی میں لگنے کی وجہ سے سر پھٹ چکا تھا۔

گڈی پتر۔۔اٹھ میرا سوہنا۔۔آ دوائی لگاوں زخموں پہ۔۔اسکو پانی کے چھنٹے مار کر ہوش میں لاتے ماں روتے ہوئے بولی۔

میں ٹھیک ہوں اماں۔۔نیم مردہ لہجے میں کہہ کر وہ پھر سے بے ہوش ہو گئی۔۔وہ سات سال کی تھی اور بھائی سے سترہ برس کا جب اس نے ہاتھ اٹھایا تھا۔۔تب کسی نے وہ اٹھتا ہاتھ نہیں روکا تھا اب اگر وہ روکتے بھی تو نہیں رکنا تھا

نہ میری دھی رانی۔۔۔بس تھوڑی سی ہمت کر میں ابھی تیرے لئیے دوا۔لاتی ہوں۔۔

اسکو آنکھیں بند کرتا دیکھ وہ گھبرا کر بولیں تو وہ غنودگی میں جاتی اثبات میں رلا گئی۔۔ماں نے گرتے پڑتے چارپائی پہ لٹایا اور دوا لینے کی غرض سے کمرے کی جانب بڑھی

کک۔۔کون۔۔دروازہ دھڑ دھڑایا تو وہ ایک دم کپکپا گئیں۔۔اسی اثناء میں دو تین جوان لڑکے گھر میں داخل ہوئے۔۔ماں جلدی سے واپس چارپائی کے پاس آئی اور بیٹی کے نیل و نیل وجود پہ چادر ڈالی

سلام چاچی۔۔اوزرا فادے (فہد) نوں تو بلانا۔۔نوی (نئی) فلم آئی ہے وہ دیکھنے جانا۔۔ایک لڑکا بے تکلفی سے بولا۔

او آ بھئی۔۔۔کی حال اے شیدیا۔۔بڑے ویلے بعد چکر ماریا ای۔۔اسی دوران فہد کمرے سے نکلا اور خوشی سے بولا

ہاں بس۔۔شہر والے مامے (ماموں) کے پاس گیا تھا۔اور تو گڈی نوں فیر (پھر) ماریا اے۔۔اس نے تاسف سے کہا تو فہد نے سر جھٹکا۔

او تو تو جاندا (جانتا) اے۔۔مینوں کڑیوں کا اچھلنا کودنا زہر لگدا پھر بھی اے باز نہیں آندی۔۔بس بڑے دن ہو گئے سی اس کو ہتھ نہیں لگے سی۔۔اج ٹیوننگ کر دی ہے۔۔کچھ دن سکون رہے گا۔

وہ بولتے ہوئے پانی کے گلاس ماں سے پکڑ کر انکی جانب بڑھاتا بولا تو شیدا چپ رہا۔۔اسکو سمجھانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہی تھا

اوئے اے شہری بابو کون اے؟۔۔اسکی نظر اس اٹھارہ انیس سالا لڑکے پر پڑی تو حیرت سے بولا

اپنے مامے دا پتر اے۔۔۔کہتا پنڈ (گاؤں) دیکھنا ہے۔۔میں کہا چل بھئی دکھالاتے ہیں۔۔پانی پی کر گلاس ٹرے کی جانب بڑھا کر بولا

اچھا۔۔پر پنڈ میں کیا خاک شے پڑی ہے دکھنے کو۔۔۔۔او نظارے تو شہروں کے ہیں جی۔۔وہ اسکے کندھے پر ہاتھ دھرتا بے تکلفی سے بولا تو اس جوان نے غیر محسوس طریقے سے کندھے سے اسکے ہاتھ ہٹائے

ہاں ہم اس لئیے تو تجھے لینے آئے ہیں۔۔چل شہر چلتے۔۔نوی (ئی) فلم آئی ہے ٹکٹیں لے لی ہیں۔۔بس تیرا انتظار ہے۔۔

شیدے نے کہاتو شہر کے زکر پر فادے کا چہرہ کھل اٹھا

اوئے خوش کر دیتاای۔۔۔ بڑے دن ہو گئے اکھاں (آنکھیں) نئ سیکیاں بائیں آنکھ دبا کر وہ بولا تو شیدے نے ملامتی نظروں سے اسکی جانب دیکھا

اوئے یہ گونگا بھی ہمارے نال (ساتھ) جائے گا۔۔۔ بڑی گل اے۔۔۔ہاہاہا۔۔۔وہ شیدے کے چاچے زاد کو دیکھ کر طنز کرتا بولا جو پیدائشی بول نہیں سکتا تھا

سن اور دیکھ تو سکتا ہے ناں۔۔اور تجھے کتنی دفعہ کہا ہے مزاق نہ بنایا کر۔۔۔اس معاملے میں اللہ سے ڈر۔۔

شیدا ایک اچھا لڑکا تھا سوائے فلموں کے شوق کے اس مین کوئی برائی نہیں پائی جاتی تھی۔۔لیکن!!!

فہدا ایک بگڑا ہوا اور حد درہ بد تمیز انسان تھا۔جو دودھیال میں اکلوتا اور پھر خوب صورت ہونے کی وجہ سے سب کے لاڈ اور برے لڑکوں کی بیٹھک نے کافی بگاڑ دیا تھا

اوا چھا اچھا زادہ (زیادہ) میرا پیو (باپ) نہ بن اور چل چلیں۔۔پھر آخری لاری بھی گزر گئی تو صبح تک یہیں رہ جائیں گے۔۔

اس نے منہ بگاڑ کر کہا تو وہ تینوں باہر کی جانب بڑھے۔

ویسے آپس کی بات ہے۔۔ تیرا یہ مملیر (ماموں کا بیٹا) بھی مینو گونگا لگدا (لگتا)۔۔ وہ کہہ کر اپنی بات پر اپ ہی ہنسا جبکہ اس لڑکے نے ناگواری سے فہد کو دیکھا۔

آئے ہائے۔۔۔ نظارے۔۔ سامنے ایک خواہ سراء کو دیکھ کر ٹھٹھا لگایا تو وہ خفت کا شکار ہوا۔

چل فہد۔۔ دیر ہو جائے گی۔۔ شیدا اسکی عادت کو جانتا تھا سب کو نیچ و حقیر سمجھنا اسکا فرض اولین بن گیا تھا۔

او نہیں ہوندی دیر۔۔ پہلے مفت کا مال تو دکھنے دے پھر پیسوں والا شو وی دیکھ لیں گے۔۔

آنکھوں میں طنزیہ کاٹ لئیے وہ خواجہ سرا کے پاس پہنچا اور چہرے پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔۔ تو اس نے اسکا ہاتھ جھٹکا

لے۔۔۔ نیم زنانہ ہے اور نکھرے (نخرے) چیک کر جیسے مدوری (مادھوری) ہو۔۔ اسکے ہاتھ جھٹکنے پر وہ طیش میں آتا بولا

میں جیسی بھی ہوں۔۔ اپنا رزق کمانے آئی ہوں اور تمھاری طرح بے غیرت نہیں جو نظر بازی کروں۔۔ اسکی بات پر تڑخ کر وہ خواجہ سراء تالی پیٹ کر بھاری مردانہ آواز میں بولا

او قات میں رہو۔۔ نظر بازی کے الزام پر وہ بلبلا کر بولا تو خواجہ سراء طنز سے سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔۔ جبکہ فہد بھی جلتا بھنتا اڈے کی جانب گامزن ہوا۔

ہن کیویں اے میری گڈی (اب کیسی ہے میری گڑیا)۔ماں نے اسکو نیم گرم دودھ میں ہلدی ڈال کر پلائی۔۔اور ساتھ ہی ٹکوریں کرتی ہوئی پوچھ رہی تھی

اماں جب تک تو زندہ ہے۔۔ مینوں نہیں کچھ ہوندا (ہوتا)۔۔زخمی سا مسکرا کر بولی تو ماں کے دل پہ ہاتھ پڑا۔۔اور اسکو گلے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی

فہد کے بعد ماں کی کتنی خواہش تھی کہ بیٹی ہو۔۔۔اور جب دس سالوں بعد ماں نے بیٹی سے نوازا تو گوی چٹی نرم ملائم سی بچی کا نام شہر والی چچی نے "کومل' رکھ دیا جبکہ ماں پیار سے گڈی لانتی تھی۔۔۔اور وہ واقعی گڑیا تھی۔۔اسکی رنگت میں گلابی پن گھلا تھا۔۔جو بھائی نے مار مار کر پیلے رنگ میں بدل دیا۔۔۔اور جب ماں گڈی کے ابا سے کہتی کہ فادے کو روکا کریں کہ نہ مارا کرے بہن کو تو وہ آگے سے کہتے

"نی بھلے بختے۔۔دھی داد ھن اے رب جانے اگے کی سلوک کرن۔۔تو نہ پریشانی لیا کر۔۔فادہ اسکا ماں جایا ہے۔۔غلط گل تے نہیں مار دا ہوئے ا۔۔

نیک بخت۔۔بیٹی زات ہے وہ۔۔اگلے گھر والے جانے کیسا سلوک روا رکھیں تم۔۔پریشان نہ ہوا کر وہ اسکا بھائی ہے کسی غلط بات پر تو مارنے سے رہا۔۔

اور وہ چپ کر جاتیں۔۔انکو تو لاڈوں اور نازوں سے پالا گیا تھا لیکن شوہر نے شادی کے پہلے ے ہی دھنائی کر دی تھی۔۔ماں نے رخصتی کے وقت ایک ہی بات کہی تھی۔

کہ جس گھر تم جا رہی ہو۔۔وہی تمھارا اصل گھر ہے۔۔آج سے اس گھر کے دروازے بند ہیں تم پر اگر کبھی شوہر کے ساتھ جھگڑا ہو بھی جائے تو لوٹ کر اس دہلیز پر نہ آنا۔۔اس گھر میں ت مھاری ڈولی جا رہی ہے۔۔۔ابجنازہ ہیاٹھنا چاہیے۔۔

اور وہ دھن کی ایسی پکی نکلی کہ روز مرتی تھی لیکن زبان پر اف نہ لائی کہ "ہم بیٹیاں ہیں!"

کوئی دکھ ہمارا کیا بگاڑے ا۔۔!؟

ہماری ماؤں نے ہمیں حق سے دستبرداری اور صبر ورثے میں سونپا ہے۔۔۔"-!

وہ مقررہ وقت پہ آفس پہنچ گئی تھی سب انوکھے چہرے تھے۔۔اور کسی این جی او میں کام کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔۔وہ تھوڑی سی نروس بھی تھی لیکن کچھ پر اعتماد بھی۔

اسلام علیکم۔۔اسی دوران ایک شخص کی آواز گونجی تو سب نے مشترکہ جواب دیا۔۔

آئی ہوپ سب خیریت سے ہونگے۔۔اس شخص نے خوش دلی سے کہا تو سب نے یس سر کہا۔۔

چلیں اگر سب لوگ آ چکے ہیں تو باقاعدہ میٹینگ

کا آغاز کرتے ہیں۔۔ سر نے کہا تو وہ سب چونکتے ہوئے۔

جی میرا نام حافظ خالد ہے۔۔اور میں مختلف این جی اوز میں کام کر چکا ہوں۔۔ایل پی پی۔میں۔۔میں کام کر رہا ہوں۔۔جی یہ تو تھا میرا تعارف۔۔اب as a community facilitator آپ باری باری اپنا تعارف کرواتے جائیں تاکہ ایک دوسرے کو جان سکیں۔۔

انہوں نے کہہ کر پہلی لڑکی کی جانب اشارہ کیا تو وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی

اسلام علیکم۔۔میرا نام کومل فاطمہ ہے۔۔میں نے ایف اے کیا ہوا ہے۔۔۔اور میں نور سرگاوں میں ایز آ آر پی فرائض رانجام دے رہی ہوں۔۔

اس نے حواس پر قابو پاتے پر اعتماد لہجے میں کہا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گ۔۔۔اسی طرح اس کے ساتھ موجود میل آر پی فریاد نے تعارف پیش کیا۔۔پھر علی گوہر سے عظمیٰ اور صفدر شاہ۔۔چک زمان سے سنبل اور نوشیر۔۔چک عبداللہ سے صرف میل آر پی طاہر اور بھوجے والا سے کرامت راور بہاولی ایریا سے فریحہ نے اپنا اپنا تعارف پیش کیا

جی تو RP's سب کو جاننے کا مرحلہ تو طے ہوا۔۔اب چلتے ہیں اپنے سیشن کی طرف۔۔وہ کہتے ہوئے جھکے اور ٹیبل سے ایک کتابچہ اٹھایا

جیسا کہ پہلے ہی آپکو پی ڈی ایف میں ایک کتابچہ بھیجا گیا تھا تو آئی ہوپ سب نے کچھ نہ کچھ پڑھا ہو گا

سر خالد نے کہا تو سب چونکے

۔۔کونسی کتاب۔۔کونسا پی ڈی ایف۔۔وہ تو کبھی اوپن ہی نہیں کی تھی۔۔

ہاں صبح جب آئے تھے تو میٹنگ

سٹارٹ ہونے سے پہلے میم صبا نے سب کو کتابچے کی صورت میں دی

تھی۔۔اور انہوں نے وقت گزاری کے لئے ایک سرسری سی نظر دوڑالی تھی

اسی اثنا میں سر نے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کر دیا۔۔جس کو جتنی سمجھ آئی تھی اپنے سے جواب دیا

تھا۔۔

جی تو اب میں یہ سیشن ہمارے نیکسٹ کمیونٹی فیسیلیٹیٹر کے ہینڈ اوور کرتا ہوں۔۔

پلیز سر شمعون پطرس۔۔کم ہئیر اینڈ کانٹی نیو۔۔وہ کہہ کر ایک جانب ہو گئے تو سر پطرس نے سب کو

سلام کیا اور اپنا تعارف پیش کیا۔۔

ہاں جی تو اب تک کیا کیا سمجھ آ چکا ہے ؟۔۔انہوں نے مسکراتے چہرے کے ساتھ پوچھا تو سب

نے تھوڑا تھوڑا بتا کر اپنا حصہ شامل کیا۔۔تو جیسا کہ سر خالد نے آواز دو پروگرام کا ویژن بتایا تھا۔۔کون

وہ دوبارہ سے بتانا پسند کرے گا۔

سر پطرس نے پوچھا تو سب نے ہاتھ کھڑے کیے۔۔

جی مس عظمیٰ آپ بتائیں۔۔ سر نے پوائنٹ آوٹ کیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی

"آواز دو پروگرام کا ویژن ایک ایسے پرامن معاشرے کا قیام ہے جس میں کسی کا استحصال نہ ہو اور سب کو برابری کے حقوق دیئے جائیں۔۔۔اور لوگوں کے منفی رویوں میں مثبت تبدیلی لانا بھی آواز دو پروگرام کا اہم مقصد ہے۔۔

اس نے بلند آوز میں کہا تو سب نے تالیاں بجائیں۔۔

اچھا اس کے ترجیحاتی موضوعات کونسے ہیں۔۔۔اس کے thamtic areas جس پر آواز دو پروگرام کام کر رہا ہے؟؟۔۔اگلا سوال داغا تو پھر سے ہاتھ بلند ہوئے۔۔

جونوشیر۔۔آپ بتایئے۔ سر نے کہا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔۔

سر جی اسکے بیسک اینڈ تھمیٹک ایریاز تین ہیں۔۔جو کہ درج زیل ہیں

1- صنفی تشدد

2- کم عمری کی شادی

3- سماجی ہم آہنگی اور عدم برداشت

ویری گڈ نوشیر۔۔ تشریف رکھیئے۔۔۔ سر نے کہا تو وہ تھینک یو کہتے ہوئے بیٹھ گیا

اور ہمارے ٹاگٹ گروپس کون کون سے ہیں۔۔ سر نے کتابچے کی ورق گردانی کرتے ہوئے پوچھا تو فریحہ اٹھ کھڑی ہوئی

اس میں سر جی پانچ گروپ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔۔ جن میں

1 خواتین

2 نوجوان

3 خواہ سراء

4 اقلیتیں

اور افرار باہم معذور شامل ہیں۔۔

اس کے کہنے پر سر نے شاباشی دی اور وہ بھی سیٹ پر براجمان ہو گئی اور بقیہ چیزیں سمجھانے لگے۔۔

سر جی۔۔۔ اسی دوران سر فریاد نے ہاتھ کھڑا کر کے سر کو پکارا تو وہ انکی جانب متوجہ ہوئے

جی بولیں فریاد۔۔ کوئی سوال ہے کیا؟؟.. سر نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔۔

سر ہم کسی کو کیسے قائل کریں گے بھلا کوئی ہماری بات کیوں مانے گا۔۔۔وہ تو الٹا اکھڑے گا۔۔کہ اپ کون ہوتے ہیں ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑانے والے۔۔۔تو ہم یہ سب کیسے کریں گے۔۔

وہ کب سے دماغ۔میں بلبلاتے سوال کو ہونٹوں پر لا کر بولے تو سر دھیما سا مسکرائے

اسکا جواب آپکو میڈم کو مل دیں گی۔۔انہوں نے کہا تو اٹھ کھڑی ہوئی

یہ بات بجا ہے کہ لوگ ہماری مداخلت کو ناپسند کریں گے لیکن ہمارا مقصد ہی انکے منفی رویوں کو مثبت میں بدلنا ہے تو ہم یہ قدم اٹھائیں گے۔۔۔اور انکو شریعت اسلام سے حوالے دیکر۔۔انکو قانون پاکستان سے روشناس کروا کر کہ آیا اپ جو کر رہے ہیں وہ قانون کے منافی ہے اور اسکی سزا بھی ہو کتی ہے۔۔۔اس پہلو کے منفی پہلو اجاگر کر کے ہم انکو قائل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔۔مثال کے طور پر اگر کم عمری۔کی شادی کا مسلہ ہے تو ہم بتائیں گے کہ یہ شرعاً غلط ہے اور قانوناً جرم ہے۔۔۔اور آگے جا کر یہ زچگی کے مسائل کا باعث بنے گی اور جیسا کہ سر خالد نے بھی بتایا کہ ایک سروے کے مطابق ہسپتالوں میں ہونے والی اموات میں زیادہ ریشو۔۔۔خواتین اور نومولود بچوں کی ہے جو کم

عمری کی شادی کے باعث ماں یا بچہ اا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔۔

اس نے ٹھہر ٹھہر کر تفصیلاً بیان کیا تو پھر سے تالیاں گونجیں۔۔

جی بلکل ایسا ہی ہے۔۔ہم نے اس معاشرے میں موجود بگاڑ کو جو کہ ختم کرنا تو فلحال ناممکن لیکن۔۔کم ضرور کرنا ہے۔۔ٹھیک ہے۔۔۔سر شمعون نے کہا تو سب نے پر عزم تاثرات کے ساتھ اثبات میں رلا یا اور یس سر کہا

چلیں اپ بھی مسلسل انہی باتوں سے بور ہو گئے ہوں گے۔۔ایک چھوٹی سی بریک لیتے ہیں اور پھر یہیں سے سٹارٹ کرتے ہیں۔۔۔سر پطرس نے جولی انداز میں کہا اور آفس روم کی جانب بڑھے جبکہ باقی سب ایک دورے کے ساتھ گپوں میں مصروف ہو گئے اور چائے دیکھ کر تو چہرے کھل سے اھے

۔۔۔کھانے کی بریک کے بعد سب فریش سے

میٹینگ کیلئے پر عزم نظر آنے لگے

آئی ہوپ۔۔آپ سب کو سمجھ آچکی ہو گی۔۔اب جلدی سے جتنا کچھ)سیکھ لیا ہے۔۔اسکا ایک چارٹ تیار کریں اور اپنی اپنی ٹیم میں سے ایک ایک آرپی آکر اسکی پریزنٹیشن دے۔۔۔ہری اپ۔۔سر خالد نے کہا تو سب ایکٹو ہوئے

میم صبا نے انہیں مارکر اور چارٹس مہیا کئے اور وہ دو دو لوگ مل کر باہمی مشاورت سے چارٹ بنانے لگے۔۔

ٹائم از اوور۔۔۔ سر خالد نے کہا تو وہ سر عت سے سیدھے ہوئے اور پر یقین دکھائی دے رہے تھے کہ۔۔وہ اپنا اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔۔۔اور باری باری سب نے اپنی اپنی پریزنٹیشن پیش کی

چلیں۔۔اب میں سر انضمام الحق کو لانا چاہوں گا کہ وہ آئیں اور سیشن کا بقیہ حصہ مکمل کریں اور اختتام کی جانب بڑھیں۔۔۔ سر شمعون پطرس نے سر انضمام کو دعوت دی تو وہ خیر) مقدم سی مسکراہٹ سجائے اگے بڑھے

جی اسلام علیکم آر پیز۔۔امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔۔میرا نام تو اپ سب جانتے ہی ہوں گے پھر بھی بتاتا چلوں کہ میرا نام انضمام الحق ہے اور میں بھی ایز آکیونٹی فیسیلیٹیٹر کام کر رہا ہوں۔۔ مسکرا کر انہوں نے اپنا تعارف پیش کی

جی تو ہمارا اگلا ٹاپک ہے E.W.S۔۔یہ لفظ سن کر کچھ ذہن میں آیا؟؟؟۔۔انہوں نے کہا تو سب متعجب ہوئے اور نفی میں سر لایا۔

چلیں میں کلئیر کر دیتا ہوں۔۔اسکا مطلب ارلی وارننگ سسٹم ہے۔۔جس سے مراد۔۔کہیں پہ ہونے والے مسئلے کو بگاڑ سے پہلے بھانپ لینا۔۔اور پھر اس کے رد عمل کیلئے اٹھائے گئے اقدامات کو E.R.M یعنی ارلی رسپونس میکانزم کہیں گے۔۔۔آیا کہ فوکل پرسن کو ئی مسئلہ لیکر آتا ہے کہ۔۔ کہیں دو لوگوں میں یا دو خاندانوں مین پانی کی وہ سے تنازعہ پیش آ گیا۔۔۔وہ ارلی وارننگ کہلائے

گی۔۔۔اب اس مسئلے کو بگاڑ کا شکار ہونے سے پہلے حل کرنے کے لیے۔۔فوکل پرسنز۔۔اسٹیک ہولڈرز۔

میں نمبردار۔۔امام مسجد۔۔سیکرٹری۔۔پنچایت کاردار وغیرہ جو کہ علاقے پر اپنا اثرورسوخ رکھتے ہوں۔۔ان کے ساتھ مل کر مسئلے کو حل کر لینا۔۔ارلی رسپونس میکانزم کہلائے گا۔۔کلئیر ہوا سب کو۔

انہوں نے سمجھا کر پوچھا تو سب نے یک زبان ہو کر "جی سر" کہا۔۔۔اس کے بعد چھوٹی موٹی باتیں ہوتی رہیں۔۔۔اور انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ کتا بچے کے حوالے سے ان کی دو دن کی ٹریننگ کا سیشن ہو گا۔۔اور اس سیشن میں انہیں مزید بہت کچھ) سیکھنے کو ملے گا پھر پانچ بجے جا کر میٹینگ ختم ہوئی اور سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

جاور دو۔۔کھانا لگاو سب مل کر کھاتے ہیں۔۔اس نے کہہ کر رخ انکی جانب موڑا

دیکھو تارہ۔۔ایسی چیزیں یا باتیں ہمارے۔اختیار سے بالاتر ہوتے ہیں۔۔ان پر ہم چاہ کر بھی اختیار نہیں رکھ سکتے۔۔لیکن کسی کے جذبات کو مجروح کرنا۔۔۔انکا مزاق بنانا۔۔انکو نیچ و حقیر جاننا۔۔۔۔یہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے۔۔اور جب ہم کسی کی صورت یا کمی کا مزاق بناتے ہیں تو اصل میں ہم اپنے

نعوذ باللہ اپنے رب کی خامیاں نکالتے ہیں۔۔اور ہماری اتنی اوقات نہیں کہ اسکی زات پر حرف اٹھا سکیں۔۔۔اگر لوگ ان چیزوں کو سمجھ جائیں اور ان کو ختم نہ سہی کم کرنا شروع کر دیں تو بلاشبہ ہمارا معاشرہ خوب صورتی اختیار کر جایئے گا سمجھے

۔دھیمے سے کہتی وہ دل موہ رہی تھی

اللہ خوش رکھے باجی تمہیں۔۔۔ہزاروں خوشیاں دکھائے۔۔ہر جگہ کامیاب کرے۔۔آمین۔۔چندہ نے جھولی اٹھا کر کہا تو آسودگی سے مسکرائی۔۔کہ یہ دعائیں بہت بڑا اثاثہ ہوتی ہیں

باجی کھانا گ گیا ہے۔۔آجائیں۔۔رجو نے کہا تو ڈائنگ ٹیبل کی جانب بڑھے

دروازے پر پھر سے بیل ہوئی تو بلو نے دوڑ کر دروزاہ کھولا

اسلام علیکم۔۔اسی دوران کومل کی آواز آئی تو سب نے خوشدلی سے جواب دیا

کیسی ہو چندہ تارہ۔۔اس نے چادر اتار کر دوپٹہ لیتے ہوئے پوچھا۔

جی باجی ٹھیک ہیں۔۔انہوں نے مسکرا کر جواب دیا

فریش ہو کر آجاو کومل۔۔کھانا کھائیں۔۔

عینی نے کہا تو وہ سر ہلاتی روم کی جانب بڑھی

باجی چھوٹے نے کب رخصتی کروانی۔۔اب تو نکاح کو کچھ سال ہونے والے ہیں۔۔چندہ نے پوچھا

ہاں بس انشاءاللہ۔۔عرشمان تو اتنی سی عمر میں نکاح کے حق میں بھی نہ تھا۔۔لیکن کومل کی زمہ داری بغیر کسی رشتے کے تو اٹھا نہیں سکتا تھا۔۔اس لئیے مجبوراً نکاح کرنا پڑا لیکن اب ماشاءاللہ سے دونوں بالغ اور سمجھ دار ہو چکے انشاءاللہ جلد ہی رخصتی کا پروگرام سوچتے ہیں۔۔

وہ سالن پلیٹ میں ڈال کر بولیں تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی اسی دوران کومل بھی آ گئی

ہاں جی بھئی کیسی رہی تمھاری ٹریننگ۔۔بھابھی نے پوچھا تو وہ مسکرائی

بہت اچھی بھابھی ابھی دو دن اور ٹریننگ ہو گی تو وہ اٹینڈ کرنے سے کام کرنے میں اور آسانیاں ہوں گی

انشاءاللہ

وہ جگ سے پانی انڈیلتی بولی

اچھا۔۔اللہ پاک آسانیاں پیدا فرمائے آمین۔۔انہوں نے کہا تو سب نے مشترکہ آمین کہا

کل کوئی مصروفیت تو نہیں تمھاری۔۔بھابھی نے پھر سے پوچھا

جی۔بھابھی کل ہماری ویلیج فورم کی میٹینگ

ہے۔۔اس نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی

سب خیریت تھی بھابی۔۔کوئی کام تھا کیا؟؟اس نے پوچھا

ارے نہیں نہیں۔۔بس یونہی پوچھا تھا

وہ جلدی سے بولیں تو وہ مسکرادی۔۔۔اور سب خاموشی سے کھانا کھانے میں مشغول ہو گئ

(جاری ہے)

"نصف اللیل"

تحریر: عالیہ مرتضیٰ ملک

ٹھیک دو پہر دو بجے ماں نے اسے الوداع کہا۔ لیکن دونوں دل اطمینان سے عاری تھے۔ ماں سوتیلے باپ کے ظلم سے بچا کر اسے کسی غیر کے آسرے پہ چھوڑ رہی تھی اور وہ ماں کو اس کے سنگ دل شوہر کے رحم و کرم پہ۔ آنکھیں ہمیشہ کی طرح آج بھی زوروں سے برس رہی تھیں۔ وہ چلتی ٹرین سے جب تک ماں کو دیکھ سکتی تھی دیکھتی رہی۔ پھر وہ منظر سے اوجھل ہو گئی لیکن نظریں بے رحمی سے کٹتے سفر کو ابھی بھی تاک رہی تھیں۔ اگر اس کی یہ حالت تھی تو ماں پر کیا بیت رہی ہو گی۔ دل ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہا تھا۔ وہ زندہ تھی اسے اس وقت بس اتنا معلوم تھا کیونکہ اس نے سن رکھا تھا کہ موت کے ساتھ سارے درد بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ کسی نے ترس کھا کر اسے دروازے سے ہٹایا اور اپنے ساتھ کیبن میں لے گئی۔ وہ کوئی ستر سالہ بزرگ عورت تھی مگر صحت سے لگ رہا تھا کسی اچھے گھرانے سے ہے۔ اس نے بنا کلام کیے اسے پانی کی بوتل پکڑائی۔ اس وقت ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم تھا، اس نے بوتل منہ پہ چھڑائی اور ایک ہی سانس میں ختم کر دی۔ بڑھی عورت کے تاثر میں کوئی کمی نہیں آئی، نا ہی اس نے کوئی سوال کیا۔ پھر بوڑھی اماں نے چاندی کے ورک میں لپٹا چکن رول اس کو تھما دیا۔ وہ بھی نا جانے کتنے دن کی بھوکی تھی فوراً پکڑا اور کھانا شروع کر دیا لیکن اس بار وہ آدھا ہی کھا پائی۔ اچانک کسی یاد نے پھر سے بھوک ختم کر دی تھی۔ وہ اور اس کی ماں تین تین دن بھی بھوکے رہ

لیتے تھے اور جب بھی کچھ کھانے کو ملتا صبر و شکر سے آدھا آدھا کر کے کھا لیتے تھے۔اس نے اس آدھے رول کی طرف دیکھا تو سانس بند ہونے لگی۔آج ماں کو کھائے بھی تیسرا دن تھا۔ چھلکتی آنکھوں سے اس نے بوڑھی عورت کی طرف دیکھا اور آدھا رول سائیڈ پہ رکھ دیا۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔راستہ دھیرے دھیرے منزل کے قریب پہنچ رہا تھا مگر یہ بالکل ایسے تھا جیسے اپنی مرضی کے خلاف جسم سے روح کھینچ کر اسے کوسوں دور کر دیا جائے۔اب منزل بالکل سامنے تھی۔ یہ وہی اسٹیشن تھا جہاں اسے اترنا تھا۔ٹرین کے رکتے ہی اس نے اپنا تھیلا اٹھایا،ایک نظر سکون سے سوئی ہوئی اس بڑھی عورت پر ڈالی اور کیبن سے نکل گئی۔اس نے ڈرتے ڈرتے ٹرین سے نیچے قدم رکھا مگر پہلی ہی نظر میں اس اجنبی مگر مہرباں شخص کو دیکھ کر تھوڑی ڈھارس بندھی۔وہ بھی اسے اچھے سے پہچانتا تھا سو قریب آگیا۔کیا حال ہے آسیہ ؟ماں کے الوداع کے بعد کوئی پہلی بار مخاطب ہو رہا تھا۔ وہ تھوڑا سہم گئی مگر اگلے ہی لمحے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔جی میں اچھی ہوں۔ماں نے کہا تھا اب تمہیں خود ہی مضبوط بننا ہے اور اس نے پہلی کوشش کر ڈالی تھی۔ہم م م م بہتر۔۔۔چلو آؤ میں تمہیں گھر لے چلوں۔وہ بنا کچھ کہے اس کے پیچھے چل دی۔یہ اس کے سگے باپ کے دوست کا بیٹا حامد تھا۔لیکن پہلی دفعہ وہ یوں کسی اجنبی کے ساتھ اس کے گھر جا رہی تھی۔دل اب سکون نام کی چیز سے نا واقف لگ رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا وہ کسی ربوٹ کی طرح حکم کی تعمیل کر رہی ہے۔بے بسی عروج پر تھی۔حامد نے اسے اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔راستے میں حامد نے گاڑی روکی اور کچھ خریدنے کی غرض سے باہر چلا گیا۔لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔نا کوئی سوال نا فکر مندانہ خیال۔اس کے آس پاس جو ہو رہا تھا اسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی یا پھر وہ کچھ محسوس کرنے کی صلاحیت کھو

چکی تھی۔اچانک حامد کے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔شاید وہ فون گاڑی میں بھول گیا تھا۔اس کو ایک دم ماں کا خیال آیا۔ہاں ماں نے کہا تھا وہ ضرور خیریت معلوم کرے گی۔اس نے لپک کے فون اٹھایا۔مگر اتنے میں فون بند ہو گیا۔وہ اس کے سوتیلے باپ کا ہی نمبر تھا۔یقیناً وہ ماں ہو گی۔اس نے جلدی سے نمبر دوبارہ ڈائل کرنا چاہا مگر پہلے ہی میسج آ گیا۔اسی نمبر سے موصول ہوا میسج،اس نے جھٹ سے کھولا۔ وہ سمجھی تھی ماں ہے مگر۔۔۔وہ ماں کی چلے جانے کی خبر تھی۔بڑی بے دردی سے کسی نے وہ خبر لکھ بھیجی تھی۔وہ تو سمجھی تھی ماں نے کچھ وقت کیلئے الوداع کہا تھا۔ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ اس نے ہمیشہ کیلئے الوداع کہا ہو۔دردوں کے بوجھ تلے دبی آسیہ کچھ دیر پہلے بھی تکلیف کی شدت سے سمجھ رہی تھی کہ ابھی وہ زندہ ہے مگر اب ایسا کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔دل و دماغ سے اس کا تعلق ختم ہو گیا۔اس کے کانوں نے بس آخری دفعہ پوری قوت سے ماری گئی اپنی چیخ سنی تھی۔اس کے بعد کیا ہوا اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔موبائل ہاتھ سے گر چکا تھا پر اس کی سکرین ابھی بھی روشن تھی۔پورے ایک بج کے پانچ منٹ تھے۔اس نصف الیل (آدھی رات) میں کچھ کہانیوں نے ہمیشہ کے لیے خود کو ادھورا چھوڑا تھا۔ماں کے بغیر اب اٹھنا ناممکن تھا مگر شاید مالک نے اس کی زندگی میں کوئی اور مکمل کہانی لکھ رکھی ہو۔

حصہ شاعری

نعت رسول مقبول

محمد زبیر زائر،

میری چاہت ہے کہ اب جلوہءِ جاناں دیکھوں

خواب ہی خواب میں آقا کو روزانہ دیکھوں

آپ کے ایک اشارے سے شجر کا چلنا

چاند کا ٹوٹ کے ٹکڑوں میں سمانا دیکھوں

لفظِ تطہیر پہ ازواجِ نبی کی رفعت

نورِ تطہیر میں زہرا کا گھرانہ دیکھوں

عید کے روز یتیموں کی بنا کر صورت

پیار سے آپ کا سینے سے لگانا دیکھوں

شمعِ اسلام پہ کٹتے ہوئے پروانوں کا عشق

یعنی آقا کے صحابہ کا زمانہ دیکھوں

آپ کے ہجر میں روتا ہوا بے جان تنا

پھر اُسے آپ کا خاموش کرانا دیکھوں

اور معراج کی روداد سنوں آقا سے

بدر میں آپ کا تلوار اٹھانا دیکھوں

اب تو ہر سانس میں زائر میں لکھوں نعتِ نبی

یعنی ہر سانس میں حسنین کے نانا دیکھوں

غزل

حمزہ عاجز

ان منافق لوگوں سے میں کاروبار نہیں کرتا

غیروں کی باتیں سن کے اپنوں کو اغیار نہیں کرتا

مرجھایا پھول ہے کانپتے ہاتھوں میں لیکن کچھ لوگ یہاں

جذبات کو ضائع کرتے ہیں سو میں اظہار نہیں کرتا

بس چھوٹے نہ ساتھ کبھی اس کا جس سے بھی پیار کیا جائے

یوں کسی سے محبت کرنے سے تو میں انکار نہیں کرتا

مانا میں ہجر کی راتوں میں اسے سوچ کے آہیں بھرتا ہوں

پر بادہ نوشی کی عادت میں دل کو بیکار نہیں کرتا

صورت کے نقوش نہیں پھبتے، میں تو کردار کا عاشق ہوں

چہرے سے نقاب ہٹانے کا ہر گز اصرار نہیں کرتا

یوں حسین تو لاکھوں پھرتے ہیں ان بھیگی سڑکوں پر عاجز

برسات کے موسم میں ہر راہی سے یوں پیار نہیں کرتا

نظم: ''نوعِ انساں

عالیہ مرتضیٰ ملک : *

سنا ہے عالمِ ارواح میں

ہوئی اک بھیڑ روحوں کی

ہر روح نے اپنی قسمت سے

لبادہ جسم کا اوڑھا

اسے انسان کہتے ہیں

اس دنیا کا اسے نادان سا

مہمان کہتے ہیں۔۔۔

وہ بن کے چل پڑا مہماں

کہ دنیا کی جھلک دیکھوں

مگر جب آن پہنچا تو

اسے پھر یاد نا آیا

فریبی چال ہے دنیا

مجھے خود کو بچانا ہے

مجھے واپس بھی جانا ہے

میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں

وہی تو روح کا حاصل ہے

وہ کیوں بے چین رہتی ہے

یہاں ہر چیز باطل ہے۔۔۔

یہاں حاصل حقیقت میں

کسی کو کچھ نہیں ہوتا

یہاں جو بھی میسر ہے

کسی کا من نہیں بھرتا

کہ دل کچھ اور چاہتا ہے

یہاں بس راستے ہی ہیں

سبھی منزل سے بے پروا

جو چلتے ہیں یہاں انسان

تو تھکتے ہیں کہ ہیں نالاں

وہ دو قدموں کی دوری سے۔۔۔

کبھی سنبھلے کبھی بھٹکے

کبھی ہمت سے پھر آگے

جو بڑھتے ہیں تو گھٹتے ہیں

طناب عمر کے دھاگے

خوشی مدت کو جب پہنچے

اور غم جب آن گھیرے تو

اسے معلوم پڑتا ہے

یہاں سب عارضی سا ہے

سکوں کچھ اور ہوتا

مگر پھر مات کھاتا ہے

وہ ارمانوں کی چاہت سے

یہ قصہ چلتا رہتا ہے۔۔۔

اسے سب مل بھی جائے تو

نا دل تسکین پاتا ہے

نا روح خوشحال ہوتی ہے

نظر بے تاب رہتی ہے

متاع زندگانی کا

انوکھا باب رہتی ہے۔۔۔

یہ دل دنیا کا ہے محب

اور روح عاشق ہے خالق کی

تبھی جب عشق کے پردے

کبھی بے تاب نظروں پر

محبت کی جگہ لے لیں

تو آنکھیں ناز کرتی ہیں

حقیقی راہ پانے پر

تبھی دل شاد ہوتا ہے

اور روح بھی چین پاتی ہے۔۔۔

اگر پھیریں گے رخ اپنا

یہ احکامِ الٰہی سے

تو رستہ چھوٹ جائے گا

اور منزل روٹھ جائے گی

نا پھر کچھ ہاتھ آئے گا

اور

اسی رسی کو مضبوطی

سے گر تھامے وہ رکھیں تو

نا پھر وہ مات کھائیں گے

جہاں سے چل کے آئے تھے

بڑے بافیض ہو کر وہ

وہیں کو لوٹ جائیں گے۔۔۔

غزل

مجاہد سجاد

بولے زباں بولے قلم میں ترجمانی کی دلوں
بولے کہاں ویسے کوئی بولے نظر۔ جیسے مگر

ہے عنایت کی اپنوں کہ ہے محبت ہے غربت یہ
بولے خزاں پہ چہروں جو میں بہاروں کی جوانی

کہتے نہیں تو عبادت کو عبادت ایسی ! نہیں
بولے دُکاں میں نمازوں میں، مساجد ، میں مجالس

ہے واقف تو سے گناہی بے میری دوست ہر میرا
بولے مہرباں تو کوئی میں حمایت میری یہاں

عالم کا خوف تھا جہاں تھے، تالے پہ ہونٹوں جہاں

بولے وہاں ہم مجاھد بولا نہیں کوئی جہاں

و

سرخ فلسطین

(ثمرین فاطمہ)

پکارا ہے تجھے شدت لہو سے کی ہے فریاد حدت قلب سے

ہماری پہچان ہے کفن سے ہماری شیناخت ہے لہو سے

ڈھونڈ لو جو ہمیں ڈھونڈ پاؤ سراغ لگا لو جو لگا سکو

ہے آہ و فغاں آہ و زاری کا، فرقہ واریت کا ہیں لرزتے زمین و آسمان

شب خون سے صد معصوم کلیاں ہاتھوں میں لی ئے

صد کفنوں میں خاک کو سونپتے ہوئے کہاں کھو گ ئے

وہ دنیا کے منصف یہود و صیہونی آسماں سرخ کر گ ئے

کیا یہ چیخ و پکار تجھے جگا نہ سکی کیا یہ دستک تیرے گھر کو ہلا نہ سکی

اے مسلم! تو نے تو اپنی آن کا سودا کر لیا تو اپنے بھائی کی آہ و فریاد

کیونکر سنے گا فلک سائباں، خاک بچھونا لہو اوڑھنا، اجل سجانا

شہادت تسلیم ہے دل و جاں سے رضائے الٰہی ہے منشاء ہر مسلم

کہ میرا قصور ہے فلسطینی ہونا، میرا قصور ہے میں مسلمان ہوں

رقص

عمیر احسنؔ

غموں کی تشنگی ہے رقص کرنا

بدن کی شاعری ہے رقص کرنا

گھٹن کی خودکشی ہے رقص کرنا

فرارِ بے بسی ہے رقص کرنا

زمانہ کافری ہے رقص کرنا

مری آوارگی ہے رقص کرنا

فنا کے راستوں کی گرد ہو کر

خدا سے عاشقی ہے رقص کرنا

اڑا کے دھجیاں اپنی انا کی

بشر کی عاجزی ہے رقص کرنا

محب کو جھومنا پڑتا ہے ہر دم

محب کو دائمی ہے رقص کرنا

اٹھا سر سجدے سے کر رقص زاہد

بڑی خوش قسمتی ہے رقص کرنا

میسر چیز پر ہو رونا کیوں کر

کسی شے کی کمی ہے رقص کرنا

منالے یار جیسے بھی جی چاہے

طریقہ آخری ہے رقص کرنا

جنونِ عشق میں بسمل کے احسنؔ

لہو میں اک غشی ہے رقص کرنا

غزل

عمیر احسن

اس چھت پہ ستاروں بھری ہر رات سے پہلے

میں خوب سنورتا تھا ملاقات سے پہلے

دشمن کو بھی وہ شخص دعا دیتا ہے اکثر

جو عشق سمجھتا ہے مکافات سے پہلے

اے مانگنے والوں اُسی ہی راستے پر ہے

چھوٹی سی وہ مسجد بھی مزارات سے پہلے

جانے وہ بڑے لوگ کدھر گم گئے ہیں جو

حالات سمجھ جاتے تھیں حالات سے پہلے

یہ آگہی بے چین کیے رکھتی ہے مجھ کو

خوش رہتا تھا میں اس کی عنایات سے پہلے

ہو ذکرِ محب لاڈلے محبوب سے پہلے

تم اس لیے کچھ حمد پڑھو نعت سے پہلے

میں مان لوں گا عشق بھی سچا نہیں میرا

زہر اب اگر پی لو ترے ہاتھ سے پہلے

جنت کی ہوس ٹھیک ہے لیکن خدا والو

اخلاق کرو اچھا عبادات سے پہلے

افراد کے مابین خلا اب ہے وگرنہ

جذبات ہوا کرتے تھے آلات سے پہلے

انسان نے تعمیر میں تہذیب گنوادی

اس شہر میں سب گھر تھے مکانات سے پہلے

وہ ایک خلش ہاتھ چھڑاتے ہوئے احسن

وہ ایک تڑپ وصل کے لمحات سے پہلے

غزل

زویا شاہد

اپنے ہمنوا کو نہ کبھی بھول پاؤں میں

نہ چھیڑوں اور نہ کبھی ستاؤں میں

ملے تھے محبت نامے مجھ کو تیرے کبھی

ان ناموں کو نہ کبھی جلاؤں میں میں

کس کے مقدر میں لکھا تھا صنم

بیتی تھی جو کہانی نہ کبھی سناؤں میں

روٹھ گیا ہے مجھ سے پنی گستخی پر

یہی وعدہ ہے اسے نہ کبھی بھلاؤں میں

سمجھت نہیں میری ہر بات کسی طرح بھی

ہر بات کو زویا نہ کبھی دہراؤں میں

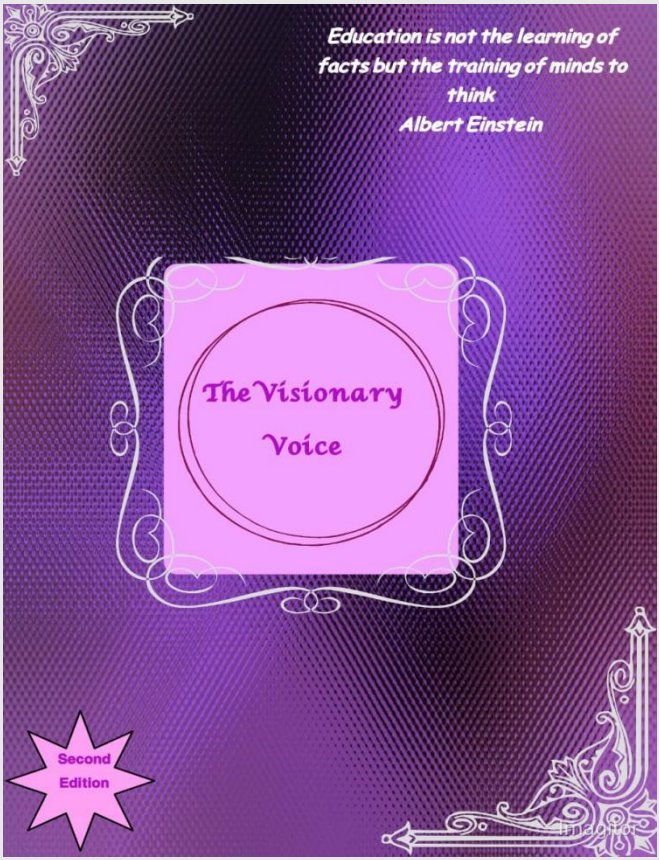
Education is not the learning of facts but the training of minds to think
Albert Einstein
The Visionary Voice
Second Edition

CONTENTS

From The Editor's Desk

Patience and Self discovery

Short story: Life Goes On

The Nation and the parents

Spiritual Goodies

Fear to Peer

The Teacher's Impact Alternative Solutions to begging

Poetry Section

From The Editor's Desk

Exploring the intersections of identity, culture, and belonging, this issue of The Visionary Voice delves into the complexities of our increasingly interconnected world. Within these pages, you'll find poetry, short stories, and essays from diverse voices. We also showcase emerging voices from underrepresented communities and stunning visual art that reflects the beauty of diversity. At The Visionary Voice, we believe literature has the power to break down borders and foster empathy.

#BeyondBorders #VisionaryVoice

Sincerely,

Saba Sadiq

Patience and self-discovery

Javeria

No doubt, life is a brutal teacher. What you learn from people is an everlasting lesson. It doesn't matter how good you consider them to be with you but hurting others has always been their top pursuit for the sake of inner peace. But you must be the companion of patience. It's the only way to live a lively life otherwise you will be died soon. Indeed, the most profound lessons often come from the people we encounter, and the experiences we have with them. It's a cruel irony that those who bring us joy and comfort can also be the ones who inflict pain and heartache. But it's in these moments of hurt that we discover the importance of patience. Like a steady anchor, patience holds us firm, allowing us to weather the storms of life. It's the companion that helps us navigate the turbulent waters

of human relationships, where the pursuit of inner peace can sometimes lead others to hurt those around them.

In this journey, we learn to let go of the need for validation from others. We realize that true peace comes from within, and that the opinions of others are but a fleeting whisper in the winds of time. Patience teaches us to focus on our own growth, to tend to our own gardens, and to nurture our own souls.

As we walk this path, we begin to see that the hurts and betrayals are not obstacles, but steppingstones. They lead us to a deeper understanding of ourselves and the world around us. We learn to forgive, not for the sake of others, but for our own liberation.

In the end, patience is not just a virtue, but a survival skill. It's the key to unlocking a life that is truly lived, a

life that is vibrant, resilient, and full of purpose. So let us embrace patience as our constant companion, and let its gentle wisdom guide us through the trials and tribulations of this beautiful, brutal thing called life.

Short story

Life Goes On

Saba Sadiq

"Bye, baby! I might be late today. So, be patient and keep waiting. I'll pick you up as soon as I'll be free"

"Okay Daddy. Have a good day" she said while climbing from the car front seat.

"Good day my doll" he said smilingly and wave his hand slightly after dropping Miya to her school he drove to his office

'Hello Fazal"

"Hi Sara" he smiled from her cabin

"How's Miya"

“Thank God she is alright now she slept well last night but had fever and sneezing all the time the night before yesterday”

“I wish her a good health”

“Thanks” he formally said

And started doing his work on PC. It was a random day like other days but today, the specialty was that Sarah invited him to a café for a coffee.

“My mom is too much serious and has found a match for me “

“Sarah, you know Miya is too young, she hasn’t yet recovered from the trauma “

“Try to understand Fazal, we both together will take care of her, and we’ll take her to reality of life.”

“She will misunderstand me; she may think me a selfish person. She will think her mother’s death didn’t bother me much. And you know Sarah, I loved her too much, I have only her in my whole life… she is the only one I have. I don’t want to lose her”

“So, Fazal you are not gonna marry me. Is it your final decision.”

“Try to understand Sara, recently I have been to Raha’s grave. In her life she never wanted me to give my love to anyone else. I don’t know Sarah, perhaps I am not ready now for this.”

“Why you were always so nice to me Fazal” she sobbed

Being nice doesn’t entail love every time, sometimes you are nice to someone just for no reason, as it is a part of your personality. Did I ever make you feel that I have something like love feeling for you “He was worried for her behavior.

“No, but when Raha was alive, I never even imagined of it but now she’s gone Fazal, you cannot spend your while life with just her memories”

“Yes, you may be right Sara, but I am not mentally prepared now” He seemed helpless

“Oh okay! What can I say now Fazal. if you are not willing, my words would be useless” she tried to hide her tears and felt a bunch of tears stuck in her throat.

They both drank their coffee which was almost cold now silently and came back together.

……..

When Sarah came to US, he met Fazal the Pakistani guy from Karachi she was from Lahore finding someone in a strange country of your same ethnicity was like finding a shelter in a desert and no doubt Fazal as senior helped her a lot in everything from her studies to getting job

It developed a very good understanding between Fazal and Sarah. Sarah secretly started liking him, but he was married man and was very happy in his marital life and Sarah has also met Raha, Fazal's wife many times so Sara remained silent in this matter and remained focused on her career and on her studies, now she had completed her masters, she was constantly receiving

call from her mother to come back and marry her cousin.

He dropped Sarah at her apartment, few days later he heard the news that Sarh has resigned from office and went back to Pakistan. He was a bit sad Sarah didn't even inform her. Perhaps she was dejected at his rejection but in his opinion, he had no other option. Anyways Sarah was gone, he wished her a happy life. He often used to think, it is beauty of time that it passes on, it was also evil of time that it doesn't last longer. How good were the days before her pregnancy. These memories were always making sad he was very possessive and sensitive about Miya. After 2 years of constant struggle with love and care he was able to bring her out of the trauma of her mother's death. And now Sara one of his friend and colleague have

proposed him for marriage he rejected. He wants to give all his time to Miya on

He brought Miya at home they together did lunch, and he left for his second job when he came back it was almost 8 o'clock, they were doing dinner together made by a housekeeper who used to look after Miya when he is out

"Miya, I want you to visit Barber or hairdresser"

"No Dad I want long hair like Rapunzel"

"At least give them a shape Mia and for this we have to visit a hairdresser"

"Daddy Lena says her mother does her hair she never visited hairdresser" she told him about a friend

"that's great" his tone suddenly slowed down

she knew dad gets upset whenever she talks about mom whether it is her mom or someone else

“No problem I can use scissors have you finished “he said smilingly and pointed at her plate

“Yes Dad” she started collecting dishes now he was putting the dishes in sink and started washing them

“No way my hairs are very dear to me” she said with a laugh

She was now cleaning the dinner table with a cloth, both used to do little chores like this while gossiping catering laughing smiling together.

……..

Mia was very dear to daddy so was the daddy to Mia.

15 years ago when Fazal came to US for his Masters he met an Irish American girl Raha was beautiful as well

as intelligent and loving she was also there for studies in USA. Fazal and Raha married there in US their families had no issue with their marriage the often visit here native countries after 2 years of their marriage Mia was born they were happily living in New York when she turns 6, Raha was again expecting baby they were very happy there about to complete your family happy family but who knows the divine decisions one day when Raha was 7th month pregnant slipped from the stair and drop down upon her belly when Fazal took her to the hospital she was in extreme pain baby in her womb was dead spleen burst there the poison spreads in her blood she left them for eternal life in extreme pain ,left behind with beautiful memories to face the cruel face of life. They missed her presence at every step, but she was gone, and they have to make their living with her memories.

Life went through the ups and downs, and everything was going elder day by day it was 10th of October13th birthday of Miya they had arranged a birthday party in the evening so for this he had to make everything ready.

He noticed some white hair by his whiskers, and he gently smile and murmured “Zindagi megzare” (life goes on) a Persian phrase which he had once read in a novel,

Miya was also growing old from a little kid to a grown-up lady she had already crossed her puberty line how fast time flies.

“Good morning dad”

“morning my sunshine” he often use to call her like this to make her feel special

"You are going to office; we have to make arrangement for evening" she said

"I will be at home before noon and evening shift is off for today" he explains

"Be on time daddy" she said

"I am always on time dear" he smiled

Then a while he started again "Miya you turned 15 today 15 years have been passed I remember the day you born" he was lost in his thoughts speaking to Miya

"Remember Miya, life goes on no matter how big tragedy you face in your life no matter how much difficulties you face in your life the only thing which life demands from you is to be steadfast in your struggle and never compromise on your dreams"

“Who was Sara daddy, why did not you married her after mom's death” He was shocked at Miya’s sudden question

“How do you know her” He got upset

“It doesn’t matter dad! You know how many nights I used to be scared of my loneliness how much time I miss the presence of a lady around me I wanted to cuddle in my mom’s lap, a mother who would do my hair who tie them in ponies, to choose colors of my dresses who cook for me only a mother or sister can do this and if you had remarried it would have compensated my loss not completely but a little bit and a little bit would have been a lot to me” She sobbed

“I am sorry Miya after all my efforts I failed as father” he said with sadness

“No dad, you are the best. You were always the best and right it was too early to remarry after mama’s death and now it is not too late so you can convince her please papa bring her back she loves you so much.”

“I think you are speaking too much; you are talking as you are older than your age” he got serious

“No dad it is not so, wanting to have a mother or sister or a friend doesn’t make me older than my age.

“But how you know her” asked

“She is my history teacher in my school and she is such a nice lady she knows me that I am your daughter by my surname she recognized me and she used to give me extra care I don’t know why but one day I I asked her and she told me that she used to be your friend then I daily use to ask her different questions related to her personal life that why she was divorced , why she

didn't remarried. She told me the whole story but didn't mention your name but daddy I am old enough to understand everything which was unsaid."

"Oh! You think you are old enough "he interrupted

"I invited her at my birthday party" she didn't give him an ear

"And I want you to talk to her and convince her to marry you"

"Thank you Miss for telling me what I have to do" he said seriously and went away.

.....

It was a great evening Mia has invited all her friends as some of your teachers he was hosting them all most of the guest were of young age wearing jackets , t shirts, skirt, making fun he was formally welcoming

everyone she was also there in off white Eastern dress she was looking beautiful and was sitting on the corner table sometime using phone and sometimes chattering with her students.

“Would you please mind my sitting here he asked”

“No issue at all you can, of course”

He sat on the chair right opposite to her

“You are looking great”

“Thank you for the compliment”

“How is your teaching going?”

“Very well, what about your life?”

“All good in fact product of my whole life is your pupil” he looked at Miya.

“Do you have any plans for relationship”

“What “she was shocked at his sudden question

“I mean, aww…. if you have any plan for remarrying you can share with me” he was reluctant to ask

“No, I have no such future plan” she said coldly

“Sarah, what if I ask you about choosing me as partner?

“Okay then I am supposed to do the same thing which you had done almost many years ago”

Please Sarah thinks about it, it was too early then and now it is not too late, 7 years ago when Miya was only 8 she needed me the most and you know a kid who has lost her mother at age of six gets too reactionary and impulsive, I just wanted time to get her out of the trauma.

“it’s too late I have to go”

“No, it’s never too late Sarah”

I am talking about my own business I have to go home early I can’t stay here anymore” she said this while rushing toward gate and he was the almost running to approach her

“Sara please think about it,” he was walking behind her.

She went to her car. He remained standing there and looking at her. Party was on its peak, in loud music no one bothered about them but Miya.

“Why she left, is everything alright” she asked

“Yes, she got an urgency at home, so she has to go” he exclaimed

Okay” she said mysteriously she knew there is no one at her home for her.

A week passed in this confusion. He was a bit worried about Sara and was blaming himself for being selfish. No doubt Sarah has passed very difficult time after her divorce in Pakistan, but this is life. Everyone has to go through difficulties of life, amid all the chaos life goes on, giving you chance again and again at different turns on your way, you just have to take your right turn at proper time. He didn't discuss this topic neither Miya discussed it. Perhaps they both were waiting for Sara to take decision.

Few days later after dropping Miya to the school he was driving to his office. On his way he saw sara standing on the roadside with her car and she seemed a bit worried

"Is everything okay, Miss?" he asked from window of passenger seat.

“Yes alright” she formally said.

“You seemed worried about something”

“No! I am not she said coldly this time”

“Okay” he drove his car and parked next to her car on the roadside.

“You are actually worried about something that you are unable to hide. Trust me, I can help you.”

“My car ran short of gasoline, and I have called my housekeeper to take the car and drop me to the school”

“You are running short of time as well Ma’am, I have ample time I can drop you”.

Sarah looked at him with empty sight

“Please” he requested

“Okay” she murmured and came to his car. He hurriedly opened the door for her and then came to driving seat.

There was complete silence in the environment. Then she has to break the ice “Fazal I thought a lot about our that day conversation.

“And at what conclusion you reach” his heart was beating so fast

“Thank you sara at least you think about it “he wished to say but couldn’t in actual

“Fazal when in Pakistan I got divorced, I was so lonely, mother has also been passed away. My whole life had become a dark blind allay. Women there used to give me advice to remarry, every other day they put different sort of matches sometimes the old widowed men who had usually beaten up their wives to death. It

became a ے nightmare to marry again and a hell to live among those people. Then Bina appi and Zaheer bhai, her cousins she often used to talk about them helped me in moving here in US again I sold all my gold jewelry and made money for ticket and visa. I gelt better here away from those toxic people. Bina appi often call me . Every Thursday I make charity meal for my mother and father here. Then I started teaching here in the school, my Friend Sunita helped me in getting job here. One day I saw Miya, she has dark brown eyes like you. I feel homely here, many times I planned to meet you, but couldn't het courage to visit you, I feel so comfortable around Miya, she became more a friend than a student to me, from her I daily asked about you " she stopped

"Keep talking Sarah I desperately want to listen to you" It was the first time after his wife's death he left

his eye left border he is still silent your friend is very much filled with emotion I passed a long journey along without any one be my other half and make you forget everything as if you are making as if he were making a deal.

She said nothing

“Will you please?” He held her hand and looked at her

She didn’t speak even a word just nodded in yes.

“Thank you Sarah,” he was in extreme delight she was now looking outside the window

Fazal tried to look at her she was blushing perhaps, he smiled same old eastern girl.

He started the engine “To the school?” He asked

“Yes of course, I am already getting late.” she pretended to be worried.

"You will never be late again miss he winked"

"When will you tell Miya" she changed the topic.

"I think as soon as possible, maybe today at dinner table"

"That's right"

"I can't wait anymore; we will plan everything very soon."

He played soft music in the car.

"People come and go in life, happenings happen and left deep impressions behind, memories are the greatest asset which remain in the end. Sometimes a person filled with the feeling of being dejected and expelled from some bond, sometime he is overwhelmed with the emotion of love, feeling of having achieved something, feeling of reaching one's goal in life, feeling of being

fullest in your character which you play on the stage of life. Amid all the hustle and bustle life goes on its own pace and one have to just go with the stream of life.

He was satisfied with his character as father, character as husband of his first wife and love, character as beloved of a lady like Sarah. He still had firm belief in his Zindagi megzare philosophy.

“THE NATION And THE PARENTS”

Um e Habiba

Some people are disappointed by their country... But you know what ... I love my country. it’s doesn’t matter ... There is injustice law ... Criminality... No rules and regulations...slow network or disgusting politics

But you know ... it has beauty... It has nature ...it has Vision ... we blame our mafia government, but we did we think that we are right? ...

We awake ... Eat ... did job... use mobile do fun ...and sleep...

We blame our country during just discussion but in reality we are lazy persons ... who don't think to make strategies to improve our country's worth

"Today we are not aware of the true meaning of our national anthem, but we celebrate Independence Day. Isn't this a clear contradiction?"

"Today, every parent's wish is to send their child to another country. I don't understand why they don't let them become the capital of their own country. If we don't invest, what will we achieve? We need to understand here that nothing will happen by calling this country bad and washing our hands off, but by doing something for this country, it will gain a name and respect."

"I request all parents to teach their children the true meaning of patriotism. Make them a source of capital for this country, not just earners from abroad. Ensure that enthusiasm and passion are not just verbal but are practically inculcated in their upbringing."

Spiritual goodies

Zunaira Fatima

In our day-to-day life we do many things. Most of the time of the day is spent in our personal needs. While doing all these things some small things can make us good and better person. There are eight gates of Jannat. Gate 1, Baab Al – Salah, this gate is for those who were punctual and attentive in their prayers. Gate 2, Baab Al – Jihad, this gate is for those Muslims who sacrificed their life in the way of Islam (NOT TERRORISM). Gate 3, Baab Al – Sadaqah, this gate is for those believers who were cherry table and gave Sadaqah in the way of Allah. Gate 4, Baab Ar – Rayyan, this gate is for those who kept their fast with sincerity to attain the blessings of Allah. Gate 5, Baab Al – Tawbah, this gate is for those who repent to Allah sincerely regret their actions and do not return to it.

Gate 6, Baab Al – Kaathimeen Al – Ghaiz, this gate is for those who forgive and pardon others. Gate 7, Baab Al- Mutawakkileen, this gate is for those were steadfast in their faith in Allah and trusted his decisions for them and lived a life that was a fulfillment of his commands. Gate 8, Baab Al – Dhikr, this gate is for those believers who constantly remembered Allah and did dhikr. These are the ways to get blessings of Allah and be successful in life. If we do even one of these things with our full intention and desire, then that door will be opened for us, and it will be the reason for our success in the Hereafter.

Fear to peer

Iqra Naem

A crowd of people mourning and shouting aggressively while abusing the rapist and letting others watch the heinous incident that has just taken place. She was about 13 years old making her bag for school, a bit merged in her thoughts, unaware of the environment. She becomes curious for a while about what's happening outside. Suddenly, her uncle comes and hugs her softly in a sense of sympathy. All strange voices and such reactions made her suspicious. She was asking everybody what the problem was actually but everyone wanted to hide it from teenagers. After all, it was the dark aspect of society which may cause fear in child psychology. After a long period of time,

she approached that forbidden clip and lost her senses for a moment. It was the rape of about 9 years child girl. Now she came to know the reason for those shouting notices. It was not the video but a mindset that had rooted in her mind that was "Men are just for hatred".

Time passes and she grows with those heartbreaking scenes still revolving in her mind like a fire. As she gets mature, her hatred and fiery aggression also burns with her. Social circumstances around her also caused more severe emotions. The screaming of an oppressed wife bearing domestic violence, dominating men force, early age marriages, ignorance, cruel murders, rape of child girl, blackmailing to stop education of girls and all the aspects to rise rebellion especially adultery and

illegal sexual intercourse, she observed keenly in her old village.

With this feminist mindset, she went to the city for higher education. She was the only member of her whole family to get a chance for further education. The urban area was totally against her ideology. She visited confident ladies who were a bit independent in her thoughts. Some males were educated and sophisticated in their manners. There was a clash between two areas. Gradually she started educating herself with two different backgrounds. There was no one to understand her psychology which had been rooted in her mind since childhood. She always tried to keep proper distance from boys. She used the wrong ways to prove her point of view. It was not just aggression but also the disappointed, sense of being suppressed by male

dominance society. City life proved very controversial that on one side there was a positive aspect of male gender and on the other side she was fighting for the basic rights of women.

Education resulted in answers to her many questions, and she realized after a long period of time that it's very important to unlearn the lesson which is a hindrance in the way of exploring the new world. Feminism never meant to hate masculine gender and prove herself superior. Being a follower of Islam, feminism should be limited to facilitating women not making them overconfident and superior to Men. Man is the authority of a family, and they are not allowed to endanger the chastity of a woman. Islam is a complete code of life. There are clear instructions for both genders, but the problem arises in practicality.

Criticism on the unpredictable nature of women is the matter of disappointment faced by a few ladies. The rest of them take it as all the women are included in such sort of criticism. The Holy Quran has clearly mentioned that

"Men are the protectors and maintainers of women, because Allah has given the one more (strength) than the other, and because they support them from their means"

ALLAH Almighty himself made them superior but it never meant that women are inferior to them. In struggle of tackling the women rights, some are on the way to prove others wrong. It's better to work for their rights instead of just to rise the voice of women.

Choosing right ideology in the light of Islam is the best way to secure the gender.

Now she is on right track which teaches acceptance, not fear. And she wants to convey it to every girl that whatever the situation was, violence is not the solution. Education is the only key to spread enlightenment. Islam has given Respect and rights than any other religion. Islam doesn't prohibit the empowerment of women but they themselves represent their low-quality ethics. Women should know their worth and value which is far better than man. She is respectable in every character either it is sister, daughter or a mother.

The Teacher's Impact

Saba Sadiq

Teachers' psychology must be tested before appointing them as teachers because they are going to train young minds with great enthusiasm and unrefined passions. Doing personal attacks during discussion calling student's name, making gender stereotypical jokes, putting unnecessary sanctions related to study and class behavior and the most annoying one making judgments by their dress codes is highly inappropriate way of teaching and not acceptable at all in any cost. I don't know why they act like this as they have a sense of insecurity that these sluts in uniform will breach their traditional patterns and would make an alliance with modern word. In my honest opinion mostly, students HATE such teachers. Such behavior can lead to low

self-esteem and confidence, fear of speaking up or participating in class, decreased motivation and interest in learning, increased stress and anxiety, difficulty in forming healthy relationships with authority figure

To address this issue, educational institutions must encourage open communication channels for students to report any incidents of inappropriate behavior implement zero-tolerance policies for bullying, harassment, and discrimination, foster a culture of inclusivity, respect, and empathy.

By taking these steps, we can ensure that our educators are equipped to support the emotional, social, and academic growth of their students, and create a safe and nurturing environment for young minds to thrive.

Addressing the Dignity of Women: Exploring Alternative Solutions to Begging in Islam"

Arooj Fatima

So, I am going to talk about women begging in the streets and markets. I used to see them sitting like that and begging on the way to college. I feel very bad and ashamed to see them sitting on the roadside, mostly wearing abaya and physically fit ladies. In Islam it is not considered favorable for ladies to beg like this, in Islamic point of view. Is it right for women to beg like that, is it the right way of making money?

There are countless platforms providing vocational training to ladies and also offering them prestigious job opportunities. These women can go for multiple jobs which do not even need earlier experience or proper training like canteen runner in schools, housekeepers.

Thousands of ladies in every city or village are making their own money as like tailor master ladies.

To do hardwork and earn money through these low paid jobs are far better than beggary, isn't it?

In the earlier days I used to see only one lady, people were giving her money as charity but then a sudden increase in numbers, from one to four, was seen. The encouraging hands are those who give them money while they actually don't deserve charity.

As far as my research, I concerned Islam never allowed women to stand in chowk, roadsides, in the streets or to go door to door for beggary, instead begging is considered as the most disgusting act in Islam.

Before this no one has called out this surging issue, I am first person to break the ice on this issue.

If you find my opinion agreeable then you as the man of society, citizen of an Islamic state, are supposed to give awareness to these beggars and guide them to the right path of honor and grace. I as a female can feel the pain of a sexually or physically assaulted ladies as Momita Debnath and I do not want any lady to become an easy prey to such beasts.

See Me

Prof. Mujahid Sajjad

See me but how would You me. You can see only the continents of my face, my fluttering hair, my fleeting eyes, my arms moving to and from, my legs twisting here and there. You can see only what you can see, you can see only what is right in front of you in material form, what you can hear, you can hear from me my voice the voice which is audible but you cannot see and hear what echoes in my interior self . You cannot see the throb of my heart, it's only what I can feel, you cannot see my dreams, you cannot see my longings, you cannot see the ocean of the love I have for humanity. My pains, my pangs, you cannot see all abstract things which run in my blood. You cannot see the level of loyalty, the typo for my near and dears. You cannot see what I feel, what I realize. You cannot see all that runs within my

head and heart. Then what you can see, you can see only my body moving and twisting?

But what makes my body move you cannot see. What agitates me to run here and there you cannot see. You cannot see the waves of my thoughts. You cannot see mind from interior self.

You can only see my head, not my mind. You can only see my eyes not my imaginations and dreams. You can see my moving lips; you cannot listen to the music of my soul. Then what you can see, you see nothing, your eyes make pictures only within the range of your sight. You cannot across the wall, you cannot see beneath the surface. You cannot see beyond the roof, what you can see. You can see the color of my face, but you cannot see my temperament. You cannot see the colors of my heart. You can see only the costume which I wear upon my body, but you cannot see the costume of respect and

honor that I bear in my brain, mind, psychology and emotions. You cannot see the ocean of my emotions. You cannot see my affiliation towards my culture, towards my parents, towards my Allah. Then what you can see, just tell me what you can see.

POETRY SECTION

Struggles

Tabassum

Life is full of peace

Thoughts make though it difficult

Strugglers can never lose

If they get appreciation

No matter how high the goals are

Strugglers can never lose

Talk less and work more

Strugglers do also terrific

Dreams

Rimsha Choudhry

Unfulfilled dreams, a theme close to my heart

A longing for something, yet to depart

Dreams scattered like stars in the sky

They sparkle so bright, but are just out of sight

They whisper their tales of what could have been

A reminder to keep chasing, to never give in

But remember, dreams can still grow

They take new forms and flourish you know

So, hold onto your hope, let your spirit take flight

For dreams may change, but they'll always ignite

Let your stars sparkle and lit up the darkened heart

Amidst the gloom, let hope’s melody start

I as an author of my own age

Having hope and spirit enclosed in a cage

Fear

Zunaira Fatima

All at sudden in the winter ‘s nights

Silence all around and no light

Single alone specie from dark side

Creepy smile on face and curious Hight

All black and features less brute

A moving shadow from left to right

Sometimes in dreams and sometimes in real life

Solace in silence

Javeria

Out of this noisy world, I find my peace

Arrival of thoughts, my soul releases

Busy in my own world, I don't hear

The chaos around me, I've nothing to fear

I'm speechless and earless, lost in my mind

Growing my own world, many thoughts at a time

Deep breaths and slow beating heart

I'm free from the noise, we're worlds apart

My eyes don't see the surroundings, they're closed

But in my imagination, I'm never alone

I laugh, I talk, I live in my own space

Where the world outside can't erase

My smile, my joy, my happy place

But when someone calls, I'm brought back to the pace

Of the unknown world, where I'm a stranger

A person unseen, a faceless danger

Yet, in this world, I find my own voice

A whisper in the noise, a heartfelt choice

To live in my dreams, to breathe my own air

And find solace in the silence, beyond any compare

Me and Moon

Maryam Naseem Arshad

On the long path of thoughts,

We both stand,

Me and Moon; my friend,

Both being heartbreakingly sad,

He asks me about my pain,

“What makes you look so fade”?

He describes me with my facade smile,

“Your smile looks so strained”,

I tell him about that one creature,

Presence of whom once made me feel grand!

That person; the healer of my heart,

That angel; used to take me as a saint,

That dweller of my heart; smile of whom like a spring,

That flower of my life by whose aroma my heart was grabbed,

The sailor of the boat of my dangling life,

Who gave me the coast; provided me sand,

The sand of love, peace and protection,

The protection from being drained,

O Moon, my dear Moon,

My person, my angel, my flower,

The dweller of my heart,

The sailor of my boat,

My provider of love, peace and protection,

Is now taken back by cruel fate.

This all has left me feel alone,

Now, my home for me is deserted land,

The sand of love and peace has sifted through my hand,

A land without any spring and pleasant odour,

A land without any sea and shore,

This all makes me faint,

This all makes me and you look sad,

This all forces my for a facade smile,

For that on this path of thoughts

We both stand,

Now, it's on you, my Moon; my friend,

Now you are the one to make me glad,

You! Dear Moon, your presence is alike my angel's face,

On which I can hourly gaze...

Tries Get into Cries

Um E Kalsoom

I burn my heart like a fire

I feel my soul like a gyre

But you always evade like a *kayar.*

I bear it to claim,

but you took it to blame.

During this i passed from cruel phase

But your chillness gets my anxiety raise.

I want to console my heart with aid

but you as usual took me like a cade.

This rubbed salt into wound like a blade.

I tried to settle our affinity by giving a break

but you always insist it to rake.

I always try to heal your wound with balm

but you struggle to pained it with calm

All in all, my fortune was struck to grief

but i always try to forget for the sake of your relief.

For you, with the world I fight

but you always try to fly like a kite.

Guernica

Saba Sadiq

Screaming and yelling in pain

Everyone praying for no gain

Broken sword a warrior's final stand

Fighting for homeland, a Nobel hand

The bride looking for love with unlit candle

Groaning with pain, the stray cattle

Mother's arm once cradling life with glee

Now carrying a dead child, a sorrow to see

We see perfection of cubism

Sufferings, reflecting modernism

Picasso, a painter of ages

Wrote war on artistic pages

Guernica was hit in 20th century

Globe is still a cemetery

Everywhere hue and cry

In silence we hear a sigh

It brings only destruction and profanity

War has no culture and ethnicity

To expose the horror and atrocities of war

Guernica, a painting that will forever roar

Arguing With God for Better

Mehreen Mehboob

In the joy of getting the little wishes I'm life

You forget the big wishes

You ask for those people life

Who are not destined for you

But you don't ask for those

Who are better for you

Our weaknesses overcome us and our

Strength elude us, We sacrifice a thousand

Joys to come for one happiness

To one laugh we make thousands cry

To make one thing

One person, one happiness

We destroy thousands of happiness

Thousands of people, thousands of things

To achieve small happiness

We leave behind the big happiness to come

We ask God for what we want

Not what God has written for us

Instead of asking for thousands of blessings from God

We ask for just one prayer

Even when our prayers are fulfilled

We still complain God

Why didn't you give me what was better for me?

Thank you for your time.

Hope to see you again ：）

Warm Regards,

The Visionary Voice & Fiction Shelve